وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین

سلسلۂ مواعظ

جواہر علمیہ

(المعروف بہ "ضرب کلیم")

(جلد ثالث)

از

افادات

حضرت مولانا مفتی محمد کلیم صاحب لوہاروی مدظلہ العالی

(استاذ الحدیث والافتاء دار العلوم اشرفیہ راندیر)

{کمپوزنگ و مرتب}

مفتی عبد الرحیم محمد عثمان مالدہ شمس آبادی

(فاضل مدرسہ دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت)

تفصیلات کتاب ہٰذا

نام کتاب ---------- جواہر علمیہ معروف بہ ضرب کلیم (جلد ثالث)

مواعظ ---------- حضرت مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی

تعداد ---------- ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

طباعت ---------- پہلا ایڈیشن

طباع ---------- ھدایت آرٹ، سگرامپورہ، سورت

کمپوزنگ ---------- اقصیٰ آرٹ۔

کتابت سیٹنگ ---------- اقصیٰ آرٹ (عبدالقیوم اورنگ آبادی 7383919819)

ناشر ---------- مکتبہ عزیزیہ، آملی پورا اسٹریٹ، راندیر، سورت

☆ ملنے کے پتے ☆

مکتبہ عزیزیہ (آملی پورا اسٹریٹ، راندیر، سورت) 09824757991

مدرسہ فیض سبحانی (رامپورہ، سورت) 09825267335

مولوی عبدالستار گودھروی (ظہور پورہ، جامع مسجد کے سامنے، گودھرا) 09714168841

مفتی عبدالقیوم اورنگ آبادی۔ (بابر کالونی، کٹ کٹ گیٹ، اورنگ آباد) GJ.7383919819

مہاراشٹرا) MH9860172337

مکتبہ اقصیٰ، سورت گجرات GJ.7383919819

مضامین

تفصیلی فہرست

| ۱۹۲ | # محرم اور اسکی خرافات | ۱۷۲ |

تقریظ وکلمات تبریک

از حضرت الاستاذ مولانا مفتی یعقوب اشرف صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(خلیفہ ومجاز حضرت محی السنۃ شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ ومہتمم دار العلوم اشرفیہ راندیر وشیخ الحدیث مدرسہ صوفی باغ، سورت)

باسمہ تعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

عزیزم مولوی مفتی محمد کلیم لوہاروی ۱۹۸۰ء میں بچپن کی عمر میں دار العلوم اشرفیہ میں پڑھنے کے لئے آئے، خوب محنت سے پڑھے اور ماشاء اللہ ہر درجہ میں اچھے نمبرات سے کامیاب ہو کر فارغ ہوئے۔ پھر جامعہ ڈابھیل سے افتاء کرکے یہاں دار العلوم اشرفیہ میں پہلے ابتدائی اور متوسط کتابیں بڑی محنت سے پڑھائیں۔ اب علیائی اور احادیث کی کتابیں بھی ماشاء اللہ بحسن وخوبی پڑھا رہے ہیں۔ اور جب سے پڑھانے بیٹھے ہیں فتاویٰ نویسی میں بھی مشغول ہیں مختلف ابواب کے اردو، گجراتی میں بڑے چھوٹے کافی فتاویٰ لکھ چکے ہیں اور ابھی بھی لکھ رہے ہیں۔ طلباء میں بھی ان کے لئے بڑی محبت وچاہت ہے۔

درس وتدریس مشغلہ کے ساتھ قرب وجوار کی مساجد ومدارس میں اور دور دراز کے اسفار میں بھی بذریعہ وعظ وارشاد اصلاح امت کے اہم کام میں لگے ہوئے ہیں۔

دراصل وعظ وارشاد کا یہ سلسلہ قدیم سے ہے، ہمارے بزرگوں سے چلا آرہا ہے۔ ہمارے بعض بزرگوں نے تو اس سے بڑے اہم اہم کام لئے ہیں۔ ہماری گجراتی میں جو مولوی

وعظ نہ کہنا ہو اس کو لکھتے ہیں کہ آ મોલ્વી ડૂબ્યો છે. (یہ مولوی ڈوبا ہے)

اور ان مواعظ کا سلسلہ بھی بزرگوں سے چلا آرہا ہے۔ اس دور میں اس طرح کے مواعظ کی اشاعت کا سلسلہ زیادہ ہو گیا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک شاندار کڑی عزیزم مولوی مفتی محمد کلیم ہوباروی کے مواعظ ہیں جو "ضرب کلیم" کے نام سے شائع ہو رہے ہیں۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی ان مواعظ کو عزیزم کے لئے اور تمام قارئین و ساری امت کے لئے نافع بنائے اور عزیزم اور اس کی ترتیب میں مدد کرنے والوں کے لئے ذریعہ نجات بنائے، آمین۔ فقط والسلام

خاکپائے بزرگاں

یعقوب اشرف راندیری

(خادم اشرفیہ راندیر، سورت-۵)

۲ رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

۵ رجولائی ۲۰۱۱ء بروز منگل

تقریظ وکلمات دعائیہ

سیدی ومولائی، سندی ومرشدی، جامع الشریعت والطریقت، مفتی اعظم گجرات حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(خلیفہ ومجاز حضرت فقیہ الامت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ وصدر مفتی وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

علمائے حقانی وربانی ہر زمانہ میں مختلف طریقوں سے دین اور علم دین کی اشاعت و حفاظت کی خدمات انجام دیتے چلے آ رہے ہیں۔ جن میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ کے ساتھ وعظ وتذکیر کا بھی ایک مستقل سلسلہ ہے جو قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ بعض حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعظ وتذکیر کا سلیقہ عطا کیا جاتا ہے لوگ ان کی تقریر و وعظ کو شوق ورغبت سے سنتے ہیں اور فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ محب مکرم مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی حفظہ اللہ ورعاہ بھی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں کئی سال سے تدریسی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اطراف وجوانب میں اپنے مواعظ سے بھی سامعین کے قلوب کو گرمانے کا کام کر رہے ہیں۔ عوام بھی آپ سے محبت و چاہت کا تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے ان ہی مواعظ کو جو آپ نے مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر تذکیر واصلاح کی غرض سے کئے ہیں آپ کے بعض شاگرد جمع اور مرتب فرما کر اس کی اشاعت بھی کرنے جارہے ہیں تاکہ ان مواعظ کی افادیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔

دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان مواعظ کو قارئین کے حق میں مفید ومؤثر بنا کر لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ کی توفیق وسعادت عطا فرمائے اور مولانا موصوف کے حق میں اس کو صدقۂ جاریہ بنائے، فقط

املاہ: احمد خانپوری (۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ)

تقریظ

مشفق و محسن حضرت الاستاذ مفتی اسمٰعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم العالیہ

(خلیفہ و مجاز حضرت شیخ زکریاؒ و شیخ الحدیث و صدر مفتی جامعہ حسینیہ راندیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد!

حضور اقدس ﷺ کی تشریف بری کے بعد اب قیامت تک دوسرا کوئی رسول اور نبی آنے والا نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ خاتم النبیین ہیں، اس لئے اب حضور اقدس ﷺ کا کام "العلماء ورثة الأنبياء" کے تحت علماء ربانیین کے ذمے ہے اور علماء یہ کام اپنی حیثیت کے مطابق کر رہے ہیں۔

دین کی نشر و اشاعت، تعلیم، تبلیغ، تحریر، تصنیف اور تقاریر سے بھی ہو رہی ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ یہ کام لینا چاہتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ خصوصی ملکہ بھی عطا فرماتے ہیں۔ ہمارے مفتی کلیم صاحب بھی میرے خیال سے انھیں خوش نصیبوں میں ہیں کہ تدریسی اور تقریری دونوں میدان کو فتح کرتے جا رہے ہیں۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچا کر کامل اخلاص کے ساتھ خوب ترقی کی سعادت نصیب فرمائے اور ان کے فیض سے لوگوں کو خوب مستفیض فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فقط والسلام

احمد اسماعیل کچھولوی غفرلہ

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

تقریظ وکلمات دعائیہ

از شیخ زادۂ محترم مخدومی واستاذی
حضرت مولانا قاری رشید احمد اجمیری مدظلہم العالی
(شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ، راندیر)

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

حامداً ومصلیاً ومسلماً، وبعد!

مشائخ اور بزرگانِ دین کے مواعظ کا سلسلہ اصلاحِ امت کی ایک قوی کڑی ہے۔ اس کی برکت سے نہ معلوم کتنے ہی لوگوں کی دل کی دنیا بدلی اور کتنوں کو راہِ راست کی روشنی نے راہ یاب کیا ہے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

اسی سلسلۃ الذہب کا ایک شاندار ورق حضرت مولانا مفتی محمد کلیم صاحب مدظلہ العالی کے بیانات کا یہ مجموعہ بھی ہے۔

مختلف عناوین پر نظر پڑی، اجمالاً دیکھنے سے ہی اس کے مفید تر ہونے کا یقین ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو بارآور فرمائے اور ہم سب کو استفادے کی سعادت عطا فرمائے اور اس کدوکاوش کو شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے، آمین۔

از

احقر رشید احمد اجمیری

راندیر، اشرفیہ

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی

اللہ تعالیٰ نے نبوت کا منصب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کتاب وحکمت کی "تعلیم دیتے ہیں اور ان کا "تزکیہ" کرتے ہیں: ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم۔ (البقرۃ: ۱۲۹) چنانچہ نبی کے وارثین علماء نے بھی اپنی زندگی میں ان دونوں چیزوں کو اہمیت دی اور تعلیم وتدریس کے ساتھ وعظ ونصیحت کے ذریعہ لوگوں کا تزکیہ کیا، کیوں کہ انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے، وہ اسے ہر وقت راہِ راست سے ہٹانے کی فکر میں رہتا ہے، ایسے وقت میں علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ "جنودِ ربانی" بن کر "لشکرِ شیطانی" کا مقابلہ کریں اور فریب شیطانی کا پردہ چاک کر کے لوگوں کو ان کے خالق حقیقی کی مرضیات کے مطابق چلنے کی تلقین کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم نصیحت کرتے رہا کرو، نصیحت مومن کے لئے نفع بخش ہوتی ہے: وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین۔ (الذاریات: ۵۵)۔

اسی جذبے کے تحت علماء ربانیین نے ہر دور میں اس کا خیال رکھا ہے کہ علم کی پیاس رکھنے والے طلبہ کی علمی تشنگی بجھانے کے ساتھ، عوام الناس کی زندگی پر بھی دھیان دیا جائے اور امت کے مخصوص طبقہ کے سامنے علمی باریکیاں بیان کرنے کے ساتھ، امت کے ایک بڑے طبقہ کو دین کے بنیادی احکام سے محروم نہ رکھا جائے، چنانچہ ماضی قریب کے ہمارے بزرگوں میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمہ اللہ نے اسے اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنایا تھا۔

محبی فی اللہ جناب مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ابوالکلام صاحب مدظلہ العالی

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم وبعد۔

اسلام کی تاریخ میں مقررین کی تاریخ رہی ہے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اعطیت جوامع الکلم، اور پھر آپ ﷺ جب تقریر شروع فرماتے تو سنے والے دوسری ہی دنیا میں چلے جاتے، جنت اور دوزخ کا نقشہ کھینچے کہ جنت ودوزخ سامنے آجاتی تھی، یہ تقریریں امت کی اصلاح اور تربیت کے لئے ہی فرماتے تھے، اسکے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسن، مشائخ صوفیہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ وغیرہ وغیرہ نے لوگوں کی اصلاح اور تربیت اپنی تقریروں سے بھی کی ہے اور کردار عمل سے بھی۔

مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی کلیم صاحب مدظلہ العالی کی تقریروں کو ان کے تلامذہ نے ''ضرب کلیم'' کے نام سے شائع کیا ہے، وہ پر اثر پر مغز اور کافی مواد لئے ہوئے اور تقریر میں سلاست بھی ہے۔

جن بزرگوں اور مشائخ کا نام تقریروں میں آئے ہیں ان کا اختصار کے ساتھ تذکرہ بھی حاشیہ میں موجود ہے جس کی ضرورت ہم طلبہ کو بھی پڑتی ہے، اللہ تعالی اس مجموعہ کو قبول فرمائے، آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

ابوالکلام

مفتی دارالعلوم زکریا، دیوبند

۱۴۔۱۱۔۱۴۳۵ھ

اقتباسات

(۱) مولانا موصوف کہنہ مشق مؤلف اور بہترین مدرس ہیں انکی تقاریر و مواعظ آیات واحادیث سے مزین ہیں ہر بات کو آیات واحادیث کی روشنی میں پیش کرتے ہیں رد بدعت اور اصلاح معاشرہ پر بطور خاص توجہ دی گئی ہے۔

(حضرت مولانا عبدالحق اعظمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

(۲) (اس کتاب میں) مختلف طرح کے عنوانات اور اس کے تحت مندرجہ مضامین سے دل متاثر ہوتا ہے۔

(بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی صاحب محدث دارالعلوم دیوبند)

(۳) ہمارے کرم فرما جناب مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی مدظلہ کے مرتب کردہ مواعظ میں نے دیکھے۔ موضوعات اور عنوانات کے تنوع، گونا گوئی بوقلمونی اور انکے تحت مندرجات سے دل بیحد متاثر ہوا، استفادہ کیا انشاء اللہ یہ مجموعہ مواعظ "ضرب کلیم" خاصے کی چیز ہوگی،

(حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی صدر القراء دارالعلوم دیوبند)

(۴) مولانا موصوف تدریسی خدمات کے ساتھ تقریر کے ذریعہ تبلیغ واشاعت کے اہم کام میں مصروف ہیں زیادہ سے زیادہ لوگ ونکی تقاریر سے استفادہ کرسکیں اس کے لئے انکی تقاریر کا پیش نظر مجموعہ "ضرب کلیم" زیر طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آرہا ہے۔ ان تقاریر میں مولانا موصوف نے بڑے سلیقہ سے عوام الناس کو مخاطب کیا ہے اور ان کے سامنے دینی تعلیم کو پیش کیا ہے۔

(حضرت مولانا اسرارالحق صاحب قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی فاؤنڈیشن نئی دہلی)

(۵) بحمد اللہ حضرت مولانا مفتی کلیم لوہاروی صاحب خلیفہ اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب کی تقاریر کا مجموعہ "ضرب کلیم" نظر سے گذرا، اپنی مصروفیات کی بناء پر مکمل طور پر نہ پڑھ پایا تاہم اسکے مضامین وعناوین سے اس کی اہمیت اجاگر ہورہی ہے۔

(حضرت مولانا محمد راشد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند)

(۶) حضرت مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی استاذ حدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر کی تقاریر کا مجموعہ "ضرب کلیم" دامن وقت کی تنگی اور درپیش سفر کی بنا پر پورے مجموعہ کے مطالعہ سے مستفیض نہیں ہوسکا تاہم اس کے عناوین ومضامین سے واضح ہوتا ہے کہ احیاء سنت ورد بدعات کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ پر خوب زور دیا گیا ہے۔

(حضرت مولانا سید محمود صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند)

(۷) موصوف گجرات کے قدیم ترین اور معروف ادارہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے استاذ حدیث اور مفتی ہیں، درس وتدریس اور افتاء کی اہم ذمہ داری کے ساتھ آپ امت مسلمہ کو اپنے رب کی تعلیم پر عمل کرنے اور زندگی کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق گذارنے کی طرف اپنے مؤثر بیانوں کے ذریعہ متوجہ فرماتے رہتے ہیں، زبان سادہ اور عام فہم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے ہر طبقے کے لئے بیانات مفید ثابت ہوتے ہیں، احباب اور اہل تعلق کے شدید تقاضوں کی وجہ سے اب ان تقریروں کو ٹیپ سے نقل کرکے "ضرب کلیم" کے نام سے شائع کیا جارہا ہے۔

(مفکر ملت قائد معارف حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم)

(۸) مفتی صاحب کے مواعظ جو ضرب کلیم کے نام سے شائع ہوئے ہیں بہت پر مغز اور معلومات پر مبنی ہیں انکو پڑھنے سے معاشرہ پر اچھا اثر پڑیگا میری تمام حفاظ، ائمہ مساجد

اور خطیبین سے گزارش ہے کہ وہ فقہ کی اس کتاب کو بھی فرصت میں حاصل کریں یہ کتاب اپنے
پڑھنے والوں کی اصلاح کی ضمانت ہے بہت سے لوگوں کو واعظ اور خطیب بناتی ہے امید ہے
کہ اہل علم اور واعظین بھی اس طرف متوجہ ہوں گے۔

(حضرت مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری)

(۹) "ضرب کلیم" جو حضرت مفتی کلیم صاحب دہلوی دامت برکاتہم خلیفہ حضرت
اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری زید مجدہم کے خطبات کا مجموعہ ہے جس میں مفتی صاحب
موصوف نے وعظ و نصیحت کے مضمون کو بہت عام فہم زبان میں سمجھایا ہے

(حضرت مولانا سلمان صاحب گنگوہی)

(۱۰) حضرت اقدس حضرت مرشدی مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ
واسعۃ اور حضرت مفتی صاحب کے محبوب و معتمد اور محبوب العلماء حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری
صاحب مدظلہ العالی کا فیض آپ کے ذریعہ متعدی ہو رہا ہے

(حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب دامت برکاتہم نائب ناظم
خانقاہ حضرت مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری)

پیش لفظ

الحمد لله علی نعمائه الشاملة و آلائه الکاملة و الصلاة علی خیر البشر افضل الانبیاء و الرسل الذی ارسل بالرحمة العامة و علی آله و اصحابه و ذریاته و من تبعه الی یوم القیمة۔ امابعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ''جواہر علمیہ معروف بہ ضرب کلیم'' کی دو جلدیں شائع ہوئیں، متعدد اہل علم اکابر ومعاصر علماء نے ہمت افزائی فرمائی، کتاب کے مندرجات میں تخریجات وحوالجات وشخصیات کے تعارف کی بناء پرفون کے ذریعہ نیز بعض خطوط اور پیغامات کے ذریعہ قابل اعتماد ہونے کی خوشخبری بھی ان محسنین نے دی ہیں۔ انہیں امور کو نیک فالی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے وسیع دریائے رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان گذارشات کو ذریعۂ مغفرت ونجات بنادے۔ (آمین) ورنہ من آنم کہ من دانم۔

اب تیسری جلد پیش خدمت ہے جو مختلف مضامین پر مشتمل ہیں۔ اس جلد کے بہت سے امور انجام دینے پر میں رفیق محترم حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب باڈا کا بہت شکر گذار ہوں کہ اپنی مختلف النوع ذمہ داریوں کے باوجود ان کا تعاون برابر رہا، جزاک اللہ خیر الجزاء فی الدارین۔

نیز ان مواعظ کو سی ڈی سے تحریر شکل میں لانے کی خدمت عزیز گرامی قاری اسماعیل صاحب سورتی و بعض میں قاری محسن صاحب (استاذ: جامعہ کنتھور) نے انجام دی۔

نیز اس جلد کی تخریج احادیث وتعارف شخصیات اور کتابت کی خدمت محب

مکرم عزیز گرامی مفتی عبدالقیوم اورنگ آبادی نے انجام دی۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اور اس خدمت کو میرے نیز والدین واعزہ واقارب اساتذہ ومشائخ کے لئے صدقۂ جاریہ بنا کر مغفرت ونجات کا ذریعہ بنائے، جو باتیں اس کتاب میں بیان کی گئی اور اللہ تعالیٰ مجھکو اور تمام قارئین کو عمل کی توفیق وسعادت عطا فرمائے، عجب، ریا، خود پسندی وامراض قلبیہ سے نجات عطا فرما کر اپنے مخلصین بندوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

العبد:

محمد کلیم لوہاروی۔

خادم الحدیث والافتاء دارالعلوم اشرفیہ راندیر۔

سورت گجرات۔ الھند

۷ جمادی الاخری ۱۴۳۶ھ

۲۸ مارچ ۲۰۱۵ء یوم السبت

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، امابعد !

اللہ تعالٰی کی قدرت کاملہ کا جیتا جاگتا مظہر "حضرت انسان" ہے، جس کو اللہ نے گوناگوں خصوصیات اور فضائل وکمالات سے آراستہ کیا، ان میں سے ایک چیز "قدرت کلام" بھی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے صدقے ہر دور میں علم وفضل اور اصلاح وارشاد کی حامل شخصیات نے انسانیت کو اپنے ارشادات سے نوازا، اور تا قیامت انشاء اللہ نوازتے رہیں گے۔

زیر نظر کتاب "جواہر علمیہ معروف بہ ضرب کلیم" کی دو جلدیں شائع ہوئی جو علمی اصلاحی اخلاقی مضامین پر مشتمل ہونے نیز تحریکات وحوالجات وشخصیات کے تعارف سے مزین ہونے کی بناء پر عوام وخواص میں مقبول ہوئی، اور بقیہ جلدوں کا اصرار یوماً فیوماً بڑھ رہا ہے۔

ہزار ہا شکر ہے اس ذات کریم کا جس کی توفیق اور فضل وکرم سے سلسلہ خطبات کی تیسری جلد پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، دوران ترتیب پہلی اور دوسری جلد کی طرح اس میں بھی اس بات کا حتی الامکان لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی بات بغیر حوالہ کے نہ ہو۔

اس جلد کی تیاری میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب ڈاڈا سورتی مدظلہ العالی [استاذ: مدرسہ عمر فاروق سورت] ومفتی زکریا اشرف راندیری سلمہ [استاذ: دارالعلوم اشرفیہ] کا تعاون برابر رہا، نیز استاذ محترم حضرت مولانا قاری اسماعیل صاحب سورتی مدظلہ العالی

(سابق استاذ دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت) نے بڑی ہی توجہ اور محنت سے مواد کو قلم بند کیا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی شان کریمی سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

نیز ترتیب تخریج وکتابت کی خدمت کی سعادت بخشنے پر میں حضرت والا کا بہت ہی ممنون ومشکور رہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر وصحت میں خوب برکت عطا فرمائے۔ اور عافیت کے ساتھ آپ کے سایہ عاطفت کو ہمارے سروں پر تادیر قائم ودائم رکھے۔

قارئین سے گذارش ہے کہ انہیں کوئی بھی غلطی نظر آئے تو ہمیں مطلع فرمائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے، اور کسی بھی طرح کی غلطی کو مرتب کی طرف سے سمجھی جائے۔ نیز بقیہ جلدیں بھی بہت جلد زیور طبع سے آراستہ کرکے پیش کی جائے گی انشاء اللہ۔

طالب دعا:

عبدالقیوم محمد عثمان اورنگ آبادی

۶ جمادی الاخری ۱۴۳۶ھ

۲۶ مارچ ۲۰۱۵ء

حسنِ تأثر

نتیجۂ فکر: ولی اللہ ولی قاسمی بستوی

بر کتاب مستطاب "جواہر علمیہ معروف بہ ضربِ کلیم" افادات:
جناب حضرت مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی

عالم وفاضل مقرر ہیں، یہ مولانا کلیم	اشرفیہ اندر سورت کے ہیں استاذِ قدیم
یہ مدرس بہترین ہیں، اور ہیں اچھے خطیب	زندہ جاوید ان کا ہے نشاں "ضربِ کلیم"
اس میں پوشیدہ بڑے ہیں قیمتی لعل وگہر	پڑھنے والوں کو سکھاتی ہے خطابت کا ہنر
اس کو پڑھ کر سیکھنا چاہے خطابت کا جو فن	وہ خطابت کے جہاں میں پائے گا فتح وظفر
ان کا تقریر وخطابت کا عجب انداز ہے	مثنوی پڑھتے ہیں، رومی کا کیا سوزِ بیاں ہے
بر سرِ منبر جب آتا ہے تو چھا جاتا ہے یہ	یہ خطابت کے جہاں میں، یکہ وتاز ہے
جذب ومستی میں پڑھا کرتا ہے جب اشعار یہ	پُر مزا اجلاس ہو جاتا ہے گوہر بار یہ
یہ بیاں کرتا ہے تقریروں میں علمی نکات	اور شعروں کی بڑی کرتا ہے بوچھار یہ
اے ولی ضربِ کلیم اک ہے کتابِ مستطاب	جو خطابت کے جہاں میں ہو گئی ہے لاجواب
کامیاب اس کے مرتب ہیں یہی مفتی کلیم	ہو رہی ہے جن کی ہر تقریر علمی باصواب

نقشِ تاثر

از: ولی اللہ ولی قاسمی بستوی۔ استاذ: جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا

بر کتاب عظیم مسمیٰ ''جواہر علمیہ معروف بہ ضرب کلیم'': افادات: جناب مولانا مفتی کلیم صاحب لوہاروی۔

بہترین انداز کے حامل ہیں یہ مفتی کلیم	جن کی تقریروں کا مجموعہ ہے یہ "ضرب کلیم"
ہوتی ہے ان کی خطابت مجلسوں میں شاندار	طرز انوکھا ہے ان کا شعر خوانی جاندار
اشرفیہ مدرسہ کے ہیں مدرّس کامیاب	سیکڑوں طلاب ان سے ہو رہے ہیں باریاب
شارحِ درسی کتب ہیں اور مفتی ہوشمند	ماہرِ علم ہنر کے ہیں یہ اہلِ ہوشمند
درمیانِ طالبانِ علم ہیں ہر دلعزیز	ہے دعا کہ مہرباں ان پر رہے رب عزیز
ہے ضلع ان کا اکولہ گاؤں مردم خیز ہے	ان کا سینہ تو شرابِ علم سے لبریز ہے
مدتوں سے دیتے ہیں راندیر میں درسِ حدیث	ہوتا ہے مقبول ان کا ہر کوئی درسِ حدیث
دینی جلسوں میں بہت تقریر فرماتے ہیں یہ	علمی نکتوں کی حسین تعبیر فرماتے ہیں یہ
مشتمل ہے ان کے ہی خطبات پر "ضرب کلیم"	بے گماں ہے مشتمل شذرات پر "ضرب کلیم"
اہلِ ایماں کے لئے تحفہ ہوئی "ضرب کلیم"	اہلِ باطل کے لئے ثابت ہوئی "ضرب کلیم"
ہے ولی کی بس دعا ہے دل سے یہی رب جلیل	صاحبِ خطبات پائیں حشر میں اجر جزیل

اسلام کے پانچ شعبے

(خصوصاً معاشرت)

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا

یہ بیان ــــــ رمضان ــــــ

مسجد انوار نشاط روڈ پر ہوا

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيأت اعمالنا ، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادي له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و نشهد ان سيدنا و نبينا و مولانا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على اله و اصحابه و بارك و سلم تسليما كثيرا كثيرا اما بعد! فَاَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطٰنِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيطَانِ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۰۸) صَدَقَ اللهُ الْعَظِيم۔

بزرگانِ محترم! ابھی میں نے آپ لوگوں کے سامنے ایک آیت تلاوت کی ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن سلام[1] کے متعلق نازل ہوئی ہے اسکا لمبا واقعہ ہے لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے اور اس آیت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

عقائد کی اہمیت و ضرورت:

ایمان اور اسلام کے پانچ اہم شعبے ہیں، ان میں سب سے اہم شعبہ عقائد کا شعبہ ہے عقیدہ کے لغوی معنی گرہ لگائی ہوئی چیز ہے۔ انسان جن چیزوں کو دل کے اندر مضبوطی سے جمالیتا ہے اور اسے دل سے تھام لیتا ہے ان کو عقائد کہتے ہیں۔ اسلامی عقیدہ کیا ہے؟ اللہ کو ماننا، اسکے

---

[1] حضرت عبد اللہ بن سلام کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۱ میں ملاحظہ ہو۔

رسولوں کو ماننا، پیغمبروں کو ماننا، کتابوں کو ماننا، تقدیر پر ایمان رکھنا، جنت، جہنم، حشر، پل صراط ان سب چیزوں کو حق ماننا، اسکا نام ایمان ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں بہت سے مسلمان ہیں جو اسلامی عقائد سے بہت دور ہیں، اس آیت سے سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے عقائد کو درست کریں اپنی اولاد کو اسلامی عقائد سکھائیں کیوں کہ اللہ تعالی فرماتے ہے کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (سورۃ التحریم آیت ٦) کہ اے ایمان والو تم خود بھی بچو اور اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ خود بھی عقائد کی لائن درست کرو اور اپنے گھر والوں کو بھی عقائد حقہ سکھاؤ۔

ہماری عبادات کا حال:

دوسرا اہم شعبہ عبادات کا ہے، عقائد کے بعد عبادات سے بھی ہم کتنے غافل ہیں نماز جیسی اہم عبادات میں ہم کتنی کوتاہی کرتے ہیں، کہ آج امت کے ہزاروں نہیں سینکڑوں، کروڑوں افراد ایسے ہیں جو کلمہ اور نماز نہیں جانتے، روزہ کیا ہے؟ اس سے واقف نہیں، زکوٰۃ کیا ہے؟ اس سے واقف نہیں، کتنوں پر حج فرض ہے، لیکن حج کی ادائیگی کا کوئی اہتمام نہیں تو اس آیت میں یہ حکم ہے کہ عبادات بھی ہماری درست ہو عبادات میں جو کوتاہیاں ہیں اسے ہم ختم کرنے والے بن جائیں۔

معاملات کی درستگی:

اور ایک شعبہ معاملات کا ہے یعنی آپس میں لین دین۔ آج معاملات کے سلسلہ میں ہم سے بہت غفلت ہو رہی ہے، ایسے لوگ جو اپنے آپ کو دین دار سمجھتے ہیں، صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں وہ بھی معاملات کے اندر زیادہ گڑبڑ کرتے ہیں، اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے ہیں کہ ہمارا کونسا لین دین جائز ہے؟ اور کونسا ناجائز اور حرام ہے؟ اسکی کوئی واقفیت نہیں ہوتی، حالانکہ اسلام میں معاملات کی ضرورت اور قدر دیگر شعبوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، حتی کہ عبادات کے مقابلہ میں

بھی اسکی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

عبادات ایک چوتھائی اور معاملات تین چوتھائی :

ہمارے مدارس میں فقہ کی ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ جسکا نام" ھدایہ" ہے، ھدایہ کے چار اجزاء اور چار حصے ہیں، ان چار اجزاء میں پہلا جزء یعنی پہلا حصہ طہارت یعنی پاکی، ناپاکی نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کے متعلق ہے یعنی ان پانچ عبادتوں کے احکام پہلے حصے میں ہیں اور دوسرے تین حصے معاملات وغیرہ پر مشتمل ہے ان میں معاملات ومعاشرت وغیرہ ہی کے سب مسائل ذکر کئے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں عبادت ایک حصہ ہے اور معاملات ومعاشرت تین حصے کے برابر ہیں، کتنی زیادہ معاملات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے لیکن آج مسلمان اس سے اتنا ہی زیادہ غافل ہے۔

خلافتِ راشدہ کا بازار :

حضرت عمر فاروق[۱] کے دور میں وہی شخص خرید وفروخت کر سکتا تھا، اپنی دوکان وہی کھول سکتا تھا جو معاملات کے مسائل سے واقف ہو حضرت عمرؓ نے ایسا نظام بنایا تھا کہ بازار میں وہی شخص ہو جو تجارت کے مسائل سے واقف ہو کتنا اچھا نظام ہے کہ بیچنے والا ہی جب حلال وحرام کی تمیز کریگا تو لینے والے کی کوئی جرأت ہی نہیں ہوگی کہ کوئی ناجائز معاملہ کرے۔ لیکن آج امت میں سود کا، رشوت کا اور دیگر حرام معاملات کا رواج ہو گیا ہے۔

---

۱ حضرت عمر فاروقؓ کے حالات "جواہر علمیہ" ج۱ میں ملاحظہ ہو۔

سود خور سے اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ:

حالانکہ قرآن و حدیث میں سود اور رشوت سے متعلق بہت سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں[1]۔

امام ابو حنیفہؒ[2] فرماتے ہیں: کہ میں نے قرآن کریم میں ایک آیت اتنی سخت پائی ہے کہ اس سے زیادہ سخت آیت میری نظر سے نہیں گذری۔ وہ سخت آیت سود سے نہ بچنے والوں کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو سودی کاروبار کرتے ہیں، سودی معاملات سے نہیں بچتے ان سے جنگ کا اعلان کیا ہے[3] گویا اللہ ان کے مقابل میں ہے اور جس کے مقابلے میں اللہ ہو وہ شخص دنیا و آخرت میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ لیکن امت میں آج تک کی اکثر شکلیں رائج ہیں جو سود اور رشوت پر مبنی ہے اور اچھے اچھے لوگ ان سودی اسکیموں میں اور سودی معاملات میں ملوث اور مشغول ہیں۔

سود خوری کی برائی:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سود کا ایک درہم اپنی ماں کے ساتھ ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے بدتر ہے[4] علامہ انور شاہ کشمیریؒ[5] ایک مرتبہ چند لوگوں کے پاس سے گذرے اور

---

[1] عن عبد اللہ بن حنظلة غسیل الملائکة قال قال رسول اللہ ﷺ درهم ربوا یأکله الرجل وهو یعلم أشد من ستة وثلاثين زنية رواه أحمد والدارقطني (مشکوۃ شریف باب الربوا ص ۲۴۶)

[2] امام ابو حنیفہؒ کے حالات "جواہر علمیہ" میں مذکور ہیں۔

[3] فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۹)

[4] عن عبد اللہ بن حنظلة غسیل الملائکة قال قال رسول اللہ ﷺ درهم ربوا یأکله الرجل وهو یعلم أشد من ستة وثلاثين زنية رواه أحمد والدارقطني (مشکوۃ شریف باب الربوا ص ۲۴۶)

[5] علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حالات "جواہر علمیہ" میں مذکور ہیں۔

حضرات بھی وہاں موجود تھے،علماء وہاں بیٹھ گئے، لوگوں نے حضرت سے سوال کرنا شروع کیا سودی مسائل کے متعلق سوالات تھے، ہر ایک چاہتا تھا کہ کوئی شکل جائز ہوجائے اسلئے ایک ہی سوال کو بدل بدل کر کررہے تھے تاکہ کہیں جائز ہونے کا جواب بن جائے شاہ صاحبؒ نے غضب ناک ہوکر فرمایا کہ "جس کو جہنم میں جانا ہو چلے جاؤ، مولویوں کی گردن پر پیر رکھ کر جانے کی ضرورت نہیں ایک ہی چیز بار بار پوچھنے سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہوجاتی"

بہر حال امت کا حال یہ ہے کہ وہ رشوت، سود، اور طرح طرح کے ناجائز کاروبار میں کثرت سے مبتلاء ہیں اسلئے ضرورت ہے کہ ہم اپنے معاملات کو درست کریں۔

گھریلو زندگی میں اسلام:

تیسرا نمبر معاشرت: یعنی آپس میں ہمارا رہن سہن کیسا ہو؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اسکی پوری تعلیمات دی ہے۔ دین اسلام کو حضور اکرم ﷺ نے چکی کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے[1] عورتیں گھروں کے اندر جو چکی پیسا کرتی ہیں دین کی مثال اس چکی جیسی ہے۔ چکی کی مثال کیوں دی؟ اسلئے کہ عورتیں جب دانے پیسنے کے لئے، اناج پیسنے کے لئے چکی گھماتی تھیں تو اس کا آٹا چاروں طرف گرتا تھا ایسے ہی دین کی روشنی، اور اسکی تعلیمات زندگی کے ہر شعبہ میں موجود ہے کوئی شعبہ زندگی کا دین کی روشنی سے خالی نہیں ہر جگہ دین کی تعلیمات موجود ہے۔ میاں بیوی آپس میں کیسے رہے؟ ماں باپ اولاد کے ساتھ، اور اولاد ماں باپ کے ساتھ، پڑوسی پڑوسی کے

[1] عن معاذ بن جبل قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: خذوا العطاء ما دام عطاء فاذا صار رشوة على الدين فلا تأخذوه ولستم بتاركيه يمنعكم الفقر والحاجة، ألا إن رحى الاسلام دائرة فدوروا مع الكتاب حيث دار الخ. رواه الطبراني في الكبير ص ۹۰/۲۰ رقم ۱۷۲، وكذا في مجمع الزوائد ص ۵/۲۲۸ (اليواقيت الغالية ج ۱ ص ۲۸۳)

ساتھ کیسے رہے؟ نبی کریم ﷺ نے سب تعلیمات امت کو دیدی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین آدمی کسے بتلایا؟:

معاشرت کہتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اچھی طرح رہنا بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ گھر کے باہر تو انکے اخلاق اور انکی سخاوت اور انکی زندہ دلی کے بڑے چرچے ہوتے ہیں لیکن جب گھر میں جاتے ہیں تو بیوی سمجھتی ہے کہ کوئی درندہ آگیا ہے، جلدی واپس چلا جائے تو اچھا، گھر والوں کے ساتھ اچھی طرح رہنے کو عبادت ہی نہیں سمجھتے ہیں، حالانکہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "خیرکم خیرکم لاھلہ[1] تم میں سے بہتر آدمی وہ ہے جو گھر والوں کے ساتھ بہتر ہو" آپ ﷺ نے خیر کے ذریعہ جو تعریف کی ہے وہ باہر کے معاملات کے اوپر نہیں کی بلکہ جو اپنے گھر میں بہتر ہو اپنی بیوی بچوں کے ساتھ کیا معاملات کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے اسکے لئے خیر کے ذریعہ تعریف کی کہ تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر ہو اسی طرح آپ ﷺ نے اولاد کے لئے والدین کو، اور والدین کے لئے اولاد کو حقوق بتلائے۔ اولاد کے سلسلہ میں سختی تاکید آئی ہے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ[2] کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان

---

[1] عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی۔ (سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب ما جاء فی فضل ازواج النبی ﷺ، من فضل عائشۃ، ج ۲ ص ۲۲۸)

[2] نعمان بن بشیرؓ: آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی، ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے آپ ہی ہیں، جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال سات مہینے تھی، آپ کو آپ کے والدین کو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے، حمص میں کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، اور حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں کوفہ کے گورنر رہے، پھر حمص کے گورنر مقرر ہوئے، یزید کے مرنے کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف مائل ہوگئے تو مروان کے دور میں اہل حمص نے آپ کو شہید کر دیا، آپ سے بہت سے تابعین روایت حدیث کرنے والے ہیں جن میں آپ کے صاحبزادے محمد اور امام شعبی بھی شامل ہیں۔

کی والدہ نے ان کے والد سے (یعنی حضرت نعمان کے والد) سے اپنے بیٹے کے لئے کچھ ہدیہ کے سلسلہ میں پوچھا ان کے مال میں سے انھوں نے ایک سال تک ٹالتو آیا پھر ان کا ارادہ ہوا تو ان کی والدہ نے کہا میں اس وقت راضی نہ ہونگی جب تک کہ تم اس پر حضور ﷺ کو گواہ نہ بناؤ تو میرے والد نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس وقت میں بچہ تھا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس بچے کے والدہ کو پسند ہے کہ میں آپ کو گواہ بناؤں اس ہدیہ پر جو میں اس کے لڑکے کو دوں، حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہاری دوسری کوئی اولاد بھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! یا رسول اللہ دوسری اولاد بھی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا سب کو برابر دیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا مجھکو گواہ نہ بناؤ میں ظلم پر کبھی گواہ نہیں بنتا۔ گویا اولاد کا حق یہ ہے کہ سب کو برابر برابر دو، اگر کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیا تو اولاد کی حق تلفی ہوگی اور پھر اولاد کے دل میں باپ کی طرف سے بغض و عداوت پیدا ہوگی، اور بھائی بہنوں کے دلوں میں بھی آپس میں بغض و کینہ پیدا ہوگا اسلئے کہ زندگی میں ہدیہ اور بخشش کرنا ہو تو سب کو برابر دو دوسری طرف اولاد کو بھی تاکید کی کہ ماں باپ کے حقوق کی رعایت کرو۔

---

1. عن الشعبي قال حدثني النعمان بن بشير ان أمه بنت رواحة سألت اباه بعض الموهبة من ماله لابنها فالتوى بها سنة ثم بدا له فقالت لا ارضى حتى تشهد رسول الله ﷺ على ما وهبت لابني فأخذ ابي بيدي وانا يومئذ غلام فأتى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله ان ام هذا بنت رواحة اعجبها ان اشهدك على الذي وهبت لابنها فقال رسول الله ﷺ يا بشير الك ولد سوى هذا قال نعم فقال اكلهم وهبت له مثل هذا قال لا قال فلا تشهدني اذا فاني لا اشهد على جور (مسلم شریف، کتاب الھبات، باب کراھیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ، ج ۲ ص ۳۷)

ماں باپ کے حقوق کی قدر:

ماں باپ کا کیا حق ہے؟ ایک شخص آیا، اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! جہاد میں جانا چاہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارے والدین حیات ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں یارسول اللہ! تو فرمایا: جاؤ انکی خدمت کرو یہی تمہارا جہاد ہے[1] ایک شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور یوں کہا اللہ کے رسول میں تمہارے ساتھ جہاد میں جانا چاہتا ہوں اللہ کی رضامندی اور آخرت کے ثواب حاصل کرنے کے لئے، لیکن میں جس وقت آیا اس وقت میرے والدین رو رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تمہاری ماں تمہارے جہاد میں جانے سے راضی ہے؟ تو اس آدمی نے کہا نہیں میں آیا تو وہ رو رہی تھی، ناراض تھی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس لوٹ جاؤ اور ان کو ہنساؤ جس طرح کہ ان کو رلایا ہیں[2] ماں کا حق، باپ کا حق، ہر ایک کے حقوق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دین کا کوئی جز ہی نہیں ہے کہ کچھ نماز پڑھ لی، کچھ تسبیحات پڑھ لی، روزہ رکھ لیا تو گویا ہم نے دین کا حق ادا کر دیا، جبکہ والدین کی بھی خدمت ضروری ہے، اور دین میں داخل ہے۔

---

[1] عن عبد اللہ بن عمر یقول جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستأذنه فی الجهاد فقال أحی والداک قال نعم قال ففيهما فجاهد (صحیح بخاری شریف، کتاب الجهاد، باب الجهاد باذن الوالدین، ج ص ۴۲۱)

[2] عن عبد اللہ بن عمرو قال اتی رجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی جئت ارید الجهاد معک ابتغی وجه اللہ والدار الآخرة ولقد اتیت وان والدای لیبکیان قال فارجع الیهما فاضحکهما کما ابکیتهما (سنن ابن ماجه ابواب الجهاد، باب الرجل یغزو وله ابوان، ص ۱۹۹)

مفتی محمد شفیعؒ صاحب کی فکر:

صبح میں ہی ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی[2] نے دارالعلوم کو ٹھرا میں ملاقات کے وقت فرمایا کہ ہم لوگ دوسروں کی تکالیف کی بالکل پرواہ نہیں کرتے اور ہمارے اکابرین اتنا خیال کرتے تھے کہ حضرت محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی[3] نے حضرت محمد شفیع صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اپنی زندگی کے آخری رمضان میں بہت سخت بیمار ہوئے اور یہ غالب گمان ہورہا تھا کہ رمضان میں ہی انتقال فرماجائیں گے (حضرت مفتی صاحبؒ کا انتقال رمضان کے کچھ دنوں بعد ہوا) تو اس بیماری کے عالم میں ایک دن فرمایا کہ رمضان المبارک گذر رہا ہے میرا بہت جی چاہتا ہے کہ رمضان میں میری وفات ہوجائے لیکن میں نے زبان سے اللہ سے اسکی دعا نہیں کی یہ سوچ کر کہ بہت سخت گرمی ہے تو لوگوں کو میرا جنازہ اٹھانے میں اور قبرستان پہونچانے میں ان کو روزے کی حالت میں بہت تکلیف ہوگی اس لئے میں نے رمضان میں اپنی موت کی دعا نہیں کی۔ اندازہ لگائیں کہ ان حضرات کو کتنی فکر تھی کہ مرنے کے بعد میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو اس لئے دل چاہنے کے باوجود دعا نہیں کی۔

ڈرتے تو لوگ درندوں سے ہیں:

اور آج ہمارا تو مشغلہ ہی بن گیا ہے لوگوں کو تکلیف دینا، پریشان کرنا۔ آج آدمی یہ سمجھتا

---

[1] حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۱ میں ملاحظہ ہو۔

[2] حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ العالی کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۲ میں ملاحظہ ہو۔

[3] حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۲ میں ملاحظہ ہو۔

ہے کہ جو جتنا لوگوں کو زیادہ ستائے، دھوکا دے وہ اتنا ہی زیادہ ہوشیار اور چالاک ہے اور وہ اس پر فخر کرتا ہے۔ لیکن سوچنے کی بات ہے کہ اگر اس سے کوئی ڈر بھی گیا تو کوئی کمال کی بات نہیں لوگ درندوں سے بھی ڈرتے ہیں، سانپ اور بچھو سے بھی ڈرتے ہیں یہ تو درندوں کی صفت ہے انسانوں کی صفت نہیں۔ صحیح مسلمان کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ[1] "صحیح مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دیگر مسلمان مامون اور بے خوف رہے"۔ حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ تم مسلمانوں کو تکلیف مت دو بلکہ تم اپنی زندگی ہی اس طرح بناؤ کہ لوگوں کو ڈر ہی نہ ہو۔ اگر تمہارے اخلاق و عادات کی وجہ سے لوگ خائف اور ڈرتے رہتے ہیں تو یہ چیز بھی تمہارے ایمان کو نقصان پہنچانے والی ہے اور اسکی وجہ سے تم کامل مومن نہیں بن سکتے۔ اتنی تاکید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔

ہماری حالت:

اس معاشرت کا ایک اہم جزء یہ بھی ہے کہ ہم مسلمان آپس میں محبت سے رہیں اخلاص سے اور ہمدردی سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذاریں۔ آج ہمارے معاشرہ میں یہ چیزیں بہت ہیں کہ کسی کو تکلیف پہونچانا، کسی کو مارنا، کسی پر تہمت لگانا، کسی کی غیبت کرنا، کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالنا، اس سے ہم کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ آج ہمارے دلوں کے اندر بغض اور عداوت ہے اسلئے ہمارے اندر وہ خوبیاں پیدا نہیں ہوتیں جو صحابہ کرامؓ کے اندر تھیں۔

---

[1] عن عبداللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ
(بخاری شریف، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون، ج ۱ ص ۶)

جنتی ہونے کا سرٹیفکٹ :

ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ کی مجلس لگی ہوئی تھی حضور ﷺ نے اس مجلس میں بشارت دی کہ ایک شخص آرہا ہے وہ جنتی ہے صحابہؓ سوچنے لگے وہ کون ہوگا؟ جسکے بارے میں حضور ﷺ نے دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دیدی تھوڑی دیر کے بعد ایک صحابیؓ وضو کر کے آئے اس حال میں کہ انکی داڑھی سے پانی ٹپک رہا تھا اور چپل بائیں ہاتھ میں تھی ایک کونے میں چپل رکھی اور مجلس میں بیٹھ گئے دوسرے دن بھی حضور ﷺ نے وہی بشارت دی اور وہی صحابی کل کی طرح آج بھی آئے اور مجلس میں بیٹھ گئے تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا تیسرے دن جب مجلس ختم ہوئی تو وہ صحابیؓ گھر جانے لگے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ جو بڑے متبع سنت و عبادت گذار صحابی تھے وہ اس صحابی کے پیچھے پیچھے چلنے لگے اور ان سے کہا کہ آج گھر میں کچھ نا اتفاقی ہوگئی ہے اسلئے گھر جانا نہیں ہے اسلئے مجھے اپنا مہمان بنالیں اور وہ صحابی بھی بڑے مہمان نواز تھے انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے آپ ہمارے مہمان! گھر پر لے گئے اور کھانا کھلایا اور رات میں اپنے قریب میں ہی بستر پر سلایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سونے کی شکل بنا کر چپکے سے وہ صحابی جنکے متعلق حضور ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی انکو دیکھتے رہے وہ صحابی تو آرام سے سوگئے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ چاہتے تھے کہ دیکھوں ایسا رات میں کونسا

عبداللہ بن عمرو بن العاص [illegible]

جو اضحیفہ پڑھتے ہیں اور کوئی عبادت کرتے ہیں جنکی وجہ سے حضور ﷺ نے انہیں جنتی ہونے کی بشارت دی وہ دیکھتے رہے لیکن یہ جھانکا تو آرام سے سوتے ہیں رات بھر اسی طرح سوتے رہے آخر تمام صحابہ کا تہجد کا تو معمول تھا ہی آخر رات میں وہ تہجد کے لئے اٹھے تہجد پڑھی اور پھر دن میں اپنے دھندے اور تجارت میں چلے گئے اور رات کو واپس آگئے انہیں اس رات انکا کوئی خاص عمل نظر نہیں آیا دوسرے دن کا معمول بھی یہی رہا تین دن تک عبداللہ بن عمرو بن العاص دیکھتے رہے لیکن کوئی خاص بات نظر نہ آئی تو آخر میں ان سے پوچھ لیا کہ میں آپ کے یہاں مہمان بن کر اسلئے آیا ہوں کہ حضور ﷺ نے مسلسل تین دن تک آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے تو میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا وہ کونسا عمل ہے جسکی وجہ سے حضور ﷺ نے دنیا ہی میں آپکے جنتی ہونے کی مسلسل تین دن تک بشارت دی ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں تو ایسا کوئی خاص عمل نہیں کرتا دوسرے مسلمان جو عمل کرتے ہیں وہی میں بھی کرتا ہوں تو جب عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ ٹھیک ہے اب میں چلتا ہوں ابھی وہ تھوڑے ہی آگے گئے تھے کہ وہ صحابی نے آواز دیکر ان کو واپس بلایا اور کہا کہ ایک عمل ذہن میں آیا ممکن ہے حضور ﷺ نے اسکی وجہ سے وہ خوشخبری سنائی ہو وہ یہ ہے کہ میرا دن رات اس طرح گذرتا ہے کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے متعلق حسد، بغض اور عداوت نہیں ہوتی میں ہر مسلمان کے متعلق دل صاف رکھتا ہوں اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا کہ بس یہی وہ بات ہے جسکی وجہ سے حضور ﷺ نے آپکے جنتی ہونے کی بشارت سنائی ہے[1]

دنیا ہی میں معاملات صاف کرلو:

لیکن آج ہمارے مسلمان بھائی دوسرے مسلمان بھائی کے متعلق، پڑوسیوں کے

---

[1] معارف القرآن ج ۸ ص ۳۴۷

بغض و دوسرے دفتر میں ان لوگوں کے نام ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ چھوڑے گا نہیں یعنی انصاف کئے بغیر اللہ تعالیٰ چھوڑے گا نہیں یہ ظالمین اور مظلومین کی حاضری ہوگی جنہوں نے دنیا میں لوگوں پر ظلم کیا تھا وہ مظلومین یعنی اپنی فریاد لے کر آئیں گے اللہ تعالیٰ جب تک مظلومین کا بدلہ نہیں دلوائیں گے ظالمین کا چھٹکارا نہیں ہوگا۔

ظلم کی اقسام:

ظلم تین قسم کے ہیں:

(۱) ظلم باللسان: کسی کو زبان سے برا بھلا کہنا، کسی پر تہمت لگانا، کسی کی عزت خاک میں ملانا، کسی کی ہنسی مذاق اڑانا، کسی کے لئے حقارت آمیز الفاظ کہنا یہ ساری چیزیں ظلم باللسان میں داخل ہیں۔

(۲) دوسری قسم ظلم بالید یعنی اپنے ہاتھ اور اپنی طاقت کی بنا پر کسی پر ظلم کرنا، مارنا، چھننا یا اپنے ہاتھ سے تو نہ مارے اور نہ پیٹے لیکن اپنے پاس جو عہدہ اور منصب ہے اسکی بنیاد پر کسی کو نقصان پہونچانا۔ یہ سب ظلم بالید میں داخل ہیں۔ اس کا بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں بدلہ دلوایا جائیگا

(۳) تیسری قسم ظلم بالمال: دوسروں کا حق مال لے کر دبا لے، چاہے خیانت کی ہو، چوری کی ہو، کسی کا حق نفقہ ہے وہ ادا نہ کیا ہو، کسی کی امانت واپس نہ کی ہو یہ سب لوگ بھی نہیں بچ سکیں گے تو اللہ تعالیٰ انکو بھی انکا حق دلوائیگا۔

معاملات ومعاشرت کی کمی پر عبادات کا ختم ہوجانا:

اسی لئے حدیث پاک میں آتا ہے مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ تم میں مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا کہ جسکے پاس درہم و دینار نہ ہو آپ

تینوں عناد وغیرہ گناہوں کے کرنے والے ہونگے انکا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوگا اللہ تعالیٰ چاہیگا تو معاف کردیگا اور چاہیگا تو عذاب بھی دیگا۔ اسی لئے انسان کو چاہئے کہ قیامت کے دن کی ان تینوں دفتر میں شامل ہونے سے بچے۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا ملفوظ:

حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ[۱] نے چھ نمبر بتلائے ہیں ان میں خاص اکرام مسلم بھی فرمایا ہے یہ اکرام مسلم کوئی وظیفہ نہیں ہے کہ اسکی تسبیح پڑھتے رہے بلکہ یہ پورے حقوق مسلمین کو گھیرا ہوا لفظ ہے ہماری زندگی میں کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہونچے اور کسی مسلمان کا حق ضائع نہ ہو اسکا نام اکرام مسلم ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب فرماتے تھے کہ کسی مسلمان کی دل آزاری، کسی کا دل دکھانا یہ ایسی بات ہے جو بڑی بڑی عبادتوں پر پانی پھیر دیتی ہے اور عبادتیں ضائع کردیتی ہے تو بتلانا یہ ہے کہ اسلام کا ایک اہم شعبہ معاشرت ہے، اسلئے ہم آپس میں محبتیں اپنائیں۔

روزِ قیامت عرش کا سایہ کسے؟:

اللہ کے لئے محبتیں رکھنا، اپنے دلوں کو صاف رکھنا یہ بڑی دولت ہے، اسکے کیا فائدے ہیں؟ جسکی آج ہم سب کو ضرورت ہے حشر کے میدان میں انسان چلچلاتی دھوپ میں تپے گا کوئی گلے تک پسینہ میں ڈوبا ہوگا کوئی پیٹ تک کوئی گھٹنوں تک، اور کوئی ٹخنوں تک ڈوبا ہوگا ایسے موقع پر عرش کے سایہ کی ضرورت ہر آدمی کو ہوگی، سب عرش کے سایہ کی تلاش میں ہونگے۔ لیکن یہ عرش کا سایہ کس کو ملے گا؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ایسے ہیں

---

[۱] حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی کے حالات "تذکرہ اولیاء" میں ملاحظہ ہو۔

جنکو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کا سایہ نصیب کریگا جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں سے دو آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہوں اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھتے ہوں۔[1]

تکمیل ایمان کی علامت:

حضرت ابو امامہؓ[2] کی روایت ہے "من احب للہ وابغض للہ ومنع للہ واعطی للہ فقد استکمل الایمان"[3] کہ جو شخص محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے، بغض رکھے تو اللہ کے لئے رکھے، کسی کو کچھ دے تو اللہ کے لئے دے، کسی کو کچھ نہ دے تو اللہ کے لئے نہ دے تو جسکے اندر یہ چار چیزیں جمع ہوجائیں تو فرمایا اسکا ایمان کامل ہوگا۔ یہ ایسی ہی معمولی چیزیں نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کا آپس میں اللہ کے لئے محبت رکھنا یہ اللہ کا محبوب ایمان والا ہے اسلئے مجھے اس

---

[1] عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال سبعة یظلہم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ امام عادل وشاب نشأ فی عبادة اللہ ورجل معلق قلبہ فی المساجد ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ ورجل دعتہ امرأة ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق بصدقة فاخفاہا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ (بخاری شریف، کتاب الزکوٰة، باب الصدقة بالیمین، ج ۱ ص ۱۹۱)

[2] حضرت ابو امامہؓ: حضرت ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی ان کی کنیت ابو امامہ سے زیادہ مشہور ہیں حضور ﷺ نے ان کو قبیلہ باہلہ کے پاس تبلیغ دین کے لئے بھیجا تھا، انہوں نے اپنی قوم کو [illegible] اسلام کی دعوت دی [illegible] وفات کے وقت ان کی عمر [illegible] سال تھی ان کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرة تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا [illegible] تحت الشجرة [illegible] بیعت کی ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں [illegible] ایمان کا تقاضہ [illegible] ص ۴۲۸)

[3] عن ابی امامة قال قال رسول اللہ ﷺ من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان رواہ ابو داؤد (مشکوٰة شریف، کتاب الایمان، ص ۱۴)

سے محبت ہے، کوئی دنیوی غرض اور کوئی اپنی نفسانی خواہش کی بناء پر محبت نہیں ہے بلکہ اللہ کے لئے محبت ہے، اگر اس طرح یہ محبتیں اللہ کی بنیاد پر قائم ہو جائیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے ایمان کامل کی بشارت سنائی کہ اسکا ایمان کامل ہو گیا۔

ہمارے دلوں کا کینہ:

بہر حال ضرورت ہے کہ ہم اپنی معاشرت کو درست کریں۔ آج کل ہمارا مزاج ایسا بن گیا ہے کہ اگر ہم کو کسی سے کوئی تکلیف پہنچ گئی، یا کسی سے ناچاکی ہو گئی، تو ہم اسے دل میں بٹھائے رکھتے ہیں زندگی بھر پھر ہم اسکو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور پھر کبھی نہ کبھی موقع بموقع انتقام کے ذریعہ ہم اپنی بھڑاس نکالنے کی کوشش کرتے ہیں یہ کتنی بری صفت ہے۔ حالانکہ صحابۂ کرامؓ کے دل بڑے صاف تھے بڑی بڑی تکالیف بھی اللہ کے لئے معاف کر دیتے تھے اسی وجہ سے قرآن نے انکی تعریف کی چنانچہ ایک واقعہ قرآن پاک میں بھی اور حدیث پاک میں بھی بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسکا ایک جزء آپکے سامنے بیان کر رہا ہوں۔

واقعۂ افک:

ایک غزوہ کی واپسی پر غالباً غزوۂ مریسیع[1] یا ایک روایت کے مطابق غزوۂ بنی المصطلق تھا، واپسی میں ایک جگہ قافلے نے پڑاؤ ڈالا تھا حضرت عائشہؓ کجاوے سے نکل کر جنگل کی طرف قضائے حاجت کے لئے گئی تھیں، وہاں انکا ہار گم ہو گیا، اسے تلاش کرنے میں حضرت عائشہؓ کو دیر ہو گئی۔ یہاں سے قافلہ روانہ ہو گیا، حضرت عائشہؓ بہت دبلی پتلی تھیں، وزن بھی بہت کم تھا اسلئے انکا کجاوہ اونٹ پر رکھتے ہوئے کسی کو کجاوہ خالی ہونے کا احساس نہیں ہوا۔ بہر حال جب

---

[1] بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۴، کتاب المغازی، باب حدیث الافک)

کہا کہ منافقین نے مدینہ میں تیرے بارے میں نعوذ باللہ ایسی غلط خبریں پھیلائی ہیں اور ان میں مسطح بھی شامل ہے اسلئے میں نے اسے بددعا دی۔ اب تو حضرت عائشہؓ بہت پریشان ہوئیں، انکا بخار بھی بڑھ گیا حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنی ماں کے یہاں چلی گئیں۔ بہر حال حضور ﷺ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کے گھر حاضر ہوئے، اور پھر حضرت عائشہؓ کی براءت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ نور کا ایک پورا رکوع یعنی دس آیتیں نازل فرمائی۔ قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہے اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ (سورة النور ایت ۲۶) ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہے اور صدیقہؓ جیسی پاکیزہ اور نیک خاتون حضور ﷺ جیسے پاکیزہ اور نیک مرد کے نکاح میں ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے صدیقہؓ کی براءت ظاہر فرمادی۔

حضرت ابوبکرؓ کو باری تعالیٰ کی محبت بھری تنبیہ:

اب حضرت ابوبکرؓ کی چہیتی بیٹی اور حضور ﷺ کی پاکیزہ بیوی پر تہمت لگائی گئی تو حضرت ابوبکرؓ پر کیا گذری ہوگی۔ اوپر سے یہ کہ انکا بھانجہ مسطحؓ جس کو وہ وظیفہ دیا کرتے تھے وہ بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہوگئے تھے اسلئے حضرت ابوبکرؓ مسطحؓ کو جو وظیفہ دیتے تھے اسکے متعلق قسم کھائی اور قسم کھا کر فرمایا کہ اب سے میں مسطحؓ کو وظیفہ نہیں دوں گا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آیت نازل فرمائی وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ[1] کہ تم میں فضیلت والے اور مال والے اسطرح کی قسم نہ کھائے کیا تم اس بات کو پسند نہیں

---

[1] عن عائشة قالت فلما انزل الله هذا في براءتي قال ابو بكر الصديق وكان ينفق على مسطح بن اثاثة لقرابته منه وفقره والله لا انفق على مسطح شيئا ابدا بعد الذي قال لعائشة ما قال فانزل الله ولا يأتل اولو الفضل الخ (بخاری شریف، کتاب التفسیر، باب قول الله ان الذين جاءو بالافك ج ۲ ص ۶۹۸)

کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کر دے۔ اندازہ لگائیں کہ اپنی حقیقی بیٹی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی بیوی پر تہمت لگائی گئی۔ اس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دل پر چوٹ لگی اور قسم کھائی تھی لیکن جب یہ آیت اتری کہ ایسی قسم مت کھاؤ تو حضرت ابوبکرؓ نے فوراً قسم توڑ دی اور جس کے متعلق قسم کھائی تھی اس کو دینا شروع کر دیا، کیونکہ انہیں مغفرت کی طلب تھی وہ چاہتے تھے کہ باری تعالیٰ مجھے معاف کر دے اسلئے قسم توڑ دی۔ ایسی شان تھی صحابہؓ کی، اس سے زیادہ تکلیف کیا ہو سکتی ہے کہ خود کی بیٹی پر تہمت لگائی جائے لیکن جس نے تہمت لگائی اس کے متعلق دل صاف کر لیا، یہ تھی صحابہ کرام کی شان تھی کہ جو حکم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا اسے فی الفور قبول کر لیا، اور ہم ہیں کہ معمولی معمولی باتوں پہ دل میں بغض و عداوت رکھتے ہیں، اور ہر وقت انتقام کے جذبات میں کسی نہ کسی تکلیف دینے اور دل آزاری کی کوشش میں رہتے ہیں۔ بہرحال ہمیں معاشرت کو بھی سدھارنا چاہئے یہ اسلام کا اہم شعبہ ہے۔

شعبہ اخلاق:

اسلام کا ایک اور شعبہ ہے اخلاق۔ اخلاق کہتے ہیں دل کے اندر اچھے اوصاف پیدا کرنا اور برے اوصاف کو دور کرنا مثلاً دل کے اندر سے بغض، کینہ، حسد، شہوت، دنیا کی حرص و لالچ، دوسروں کو حقارت سے دیکھنا ان سب برے اوصاف کو دور کرنا اور ان کے بالمقابل تواضع، انکساری، اخلاص للّٰہیت، مسلمان کا احترام، قلب میں محبت ان سب چیزوں کو پیدا کرنا ان کا نام ہے اخلاق۔

اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟:

تو یہ پانچ شعبے ہوئے ایمان و اسلام کے پانچ اہم شعبے ہیں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ اللہ تعالیٰ ہم سے مطالبہ فرما رہا ہے کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ یعنی پوری

شعبہ ایسا خالی نہ ہو کہ ہم اسکی تعلیم پر عمل نہ کریں۔ خاص طور پر بتلایا کہ ایک دوسرے کو تکلیف دینے سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے۔ آج کل ان چیزوں کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی جارہی ہے۔

ایک فکر انگیز ملفوظ:

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ بعض تکالیف ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو معاف کرا سکتے ہیں، لیکن بعض تکالیف ایسی ہوتی ہیں جنکو ہم معاف نہیں کرا سکتے، مثلاً عام راستہ پر اپنی گاڑی کھڑی کردی اب آنے جانے والے کتنے لوگوں کو اس سے تکلیف پہونچ رہی ہے، اب ہم کہاں سب سے معافی مانگنے جائیں گے، یہ تکلیف ایسی ہے کہ اسکی معافی کی کوئی شکل نہیں اسی طرح راستہ میں گندی چیزیں ڈالنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو اسی طرح نالیوں میں ایسی چیزیں ڈالنا جس سے لوگوں کو تکلیف ہو تو یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی معافی مشکل ہے کیوں کہ پتہ ہی نہیں کس کس کو تکلیف ہوتی ہے؟ اب کس کس سے معافی مانگے؟ حالانکہ اسلام نے ہمیں پاکی کی کیسی تعلیم دی ہے؟ اسکے کتنے فائدے ہیں؟۔

اچھے اخلاق دیکھ کر ایک بڑھیا کا قبولِ اسلام:

انگلینڈ کا ایک واقعہ ہے سنا ہے کہ وہاں کالج میں جو بچے پڑھتے ہیں ان میں مسلمان بچے بھی تھے اس کالج کے طلباء (STUDENT) کے کپڑے دھونے کے لئے ایک خادمہ رکھی ہوئی تھی، وہ تمام student کے کپڑے دھولی تھی چاہے وہ مسلم ہو عیسائی ہو، یہودی ہو وغیرہ، اب چونکہ ان عیسائی اور یہودی بچوں کے مذھب میں طہارت کی اور صفائی کی کوئی تعلیم نہیں ہے لہذا انکے کپڑے بہت گندے ہوتے تھے اور مسلمان بچوں کے کپڑے صاف ہوتے تھے اسلئے

وہ مسلم بچوں کے کپڑے جلدی اتروالیتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ مسلم بچوں سے پوچھنے لگی کہ تم کپڑے پہنتے ہو یا نہیں؟ انہوں نے کہا پہنتے تو ہیں لیکن چونکہ ہماری شریعت میں پاکی کی تعلیم دی گئی ہے اور اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ پیشاب پاخانہ کی جگہ کو اچھی طرح صاف رکھو طہارت حاصل کرو اسلئے میرے کپڑوں میں بدبو نہیں آتی، اس بات کا خادمہ پر اتنا اثر ہوا کہ جب اسلام اتنا پاکیزہ مذہب ہے تو اس نے اسی بنیاد پر اسلام قبول کرلیا۔

مسلم محلے:

لیکن آج ہمارے مسلم محلوں کی پہچان کیا ہے؟ گندگی! اگر کہیں جانا ہو اور مسلم محلہ معلوم کرنا ہو تو جہاں گندگی ہو، گندے کپڑے لٹکے ہوئے ہوں، گھر کے سامنے گندگی ہو، بچے ننگے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ مسلمانوں کا محلہ ہوگا آج عام شہروں میں یہی حالت ہے، اور جو طہارت اور نظافت اسلام نے ہمیں دی ہیں، وہ غیر مسلموں نے لے لی ہیں، اور ہم نے گندگیاں اختیار کرلی ہیں، لہذا صفائی کے اہتمام کی بہت ضرورت ہے اسلئے اپنے آپ کو ناپاکیوں اور گندگیوں سے بچانے کی فکر کریں۔ بہر حال یہ چند باتیں عرض کی گئیں، اللہ تعالیٰ ہمیں پورے پورے اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تحریض علی تلاوۃ القرآن الکریم

حضرت مفتی محمد کلیم صاحب دامت برکاتہم کا

یہ بیان ---

الحمد لأهله والصلوة على أهلها أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا. عن أبي ذر رضي الله عنه في حديث طويل قال قلت يا رسول الله أوصني قال أوصيك بتقوى الله فإنه أزين لأمرك كله قلت زدني قال عليك بتلاوة القرآن وذكر الله فإنه ذكر لك في السماء ونور لك في الأرض[1]

تمہید:

حضرت ابوذرؓ کی ایک طویل حدیث کا ایک جزء کہ حضور اکرم ﷺ نے تقویٰ کی وصیت فرمائی اور اس کا ایک اہم فائدہ بتایا کہ تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے سارے کام عمدہ، خوشنما اور اچھے ہو جائیں گے۔

تلاوتِ قرآن اور ذکر کرنے کے فائدے:

حضرت ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اور کچھ فرمائیں اور کچھ مزید نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ اپنے آپ پر قرآن پاک کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو لازم کر لو۔ یہ دو چیزیں بڑی اہم ہیں۔ فإنه ذكر لك في السماء ایک فائدہ یہ ہے کہ تو اگر قرآن کی تلاوت کریگا، اللہ کا ذکر کریگا تو آسمانوں میں اللہ تعالیٰ تیرا ذکر فرمائیں گے۔

دوسرا فائدہ قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ سے یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں تجھے نور عطا فرمائیں گے۔ قرآن پاک اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم الشان کتاب ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب اور نزدیکی جتنی قرآن پاک سے حاصل کی جاتی ہے اتنی کسی اور چیز سے حاصل نہیں کی جاتی۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب حفظ اللسان والغيبة والشتم ص ([illegible])

تلاوت قرآن قرب الٰہی کا ذریعہ ہے:

خود ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا تھا اور وہ حدیث قدسی ہے کہ مجھ سے بندہ سب سے زیادہ اگر قریب ہو سکتا ہے تو اسی چیز سے جو مجھ سے نکلی (یعنی قرآن پاک) قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اللہ کی ذات سے نکلا ہوا ہے تو فرمایا جو چیز مجھ سے نکلی ہے یعنی قرآن پاک اس سے سب سے زیادہ قرب اور نزدیکی حاصل کی جاتی ہے[1] یہی وہ کتاب ہے کہ قرآن کے ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہے۔ دنیا کی کسی کتاب کے پڑھنے پر وہ اجر وثواب نہیں ملتا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے پڑھنے پر اجر وثواب لکھا ہے۔ ایک حرف انسان پڑھتا ہے تو دس نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے چاہے سمجھ کر پڑھے چاہے بغیر سمجھ کر پڑھے اسی لئے خود نبی اکرم ﷺ بھی اور حضرات صحابہ بھی قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام کرتے تھے۔ اور ہمارے اسلاف بھی اہتمام کرتے تھے جس کے واقعات بھی پہلے ذکر کئے گئے تھے۔

رمضان تلاوت کا مہینہ ہے:

رمضان المبارک خاص طور پر قرآن پاک کی تلاوت کی بہار کا موسم ہے۔ تلاوت قرآن پاک کو مبارک مہینہ سے ایک خاص مناسبت ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ساٹھ (۶۰) قرآن پاک کو ختم کرتے تھے حضرت امام شافعی ساٹھ (۶۰) قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ ابوداؤد کی شروحات میں لکھا ہے[2] کہ امت میں مختلف طریقے رہے ہیں قرآن پاک کو ختم کرنے کا اکثر و

---

[1] عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اذن اللہ لعبد فی شیء افضل من رکعتین یصلیہما وان البر لیذر علی راس العبد ما دام فی صلاتہ وما تقرب العباد الی اللہ عز وجل بمثل ما خرج منہ قال ابو النضر یعنی القرآن۔ [ترمذی شریف۔ باب ما جاء فی من قرأ حرفا من القرآن ما لہ من الاجر ج ۲ ص ۱۱۹]

[2] الدر المنضود ج ۳ ص ۲۷۵

اس لئے پیچھے پڑ گئے کہ حضرت یہ تو آپکو بتانا ہی پڑیگا کہ عصر سے مغرب تک کتنا وقت ہوتا ہے کہ اس میں قرآن پاک ختم کریں؟ بہت اصرار کیا تو سب کو ندی کے کنارے پر لے گئے، اور قرآن پاک پڑھنا شروع کیا عصر سے تو غروب سے پہلے پہلے قرآن پاک ختم ہو گیا تو بعض بزرگ کی ایسی بھی کرامت ہے، اللہ ان کے وقت میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ اصل چیز ادب کی ضرورت ہے انسان جتنا قرآن پاک سے تعلق رکھیگا اتنا ہی اس کو اللہ تعالی سے قرب و نزدیکی حاصل ہوگی،

حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ کا واقعہ:

حضرت شیخ نے اپنے والد مولانا یحییٰ صاحبؒ کے متعلق لکھا ہے کہ رمضان میں ایک دن میں ایک قرآن پاک ختم کر دیتے تھے۔ تو یہ اللہ تعالی کے اس کلام کی برکت سے انسان اللہ تعالی کا بہت مقرب بن جاتا ہے۔

قرآن یہ اللہ سے ہم کلامی کا ذریعہ ہے:

اور محبت سے تعلق رکھنے والی بات قرآن پاک کے سلسلہ میں یہ ہیکہ جب انسان قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے تو گویا اسے اللہ تعالی سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے، گویا وہ اللہ سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہو۔

اللہ کس طرح کلام کرتا ہے:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس مسئلے کو اس طرح سمجھایا ہے کہ ہم قرآن پاک کی تلاوت کریں، تو ہم اللہ تعالی سے ہم کلام کیسے ہو سکتے ہیں۔ تو فرمایا ہم کلام ہونے کی حقیقت کیا ہے؟ وہ پہلے سمجھو، ایک شخص بات کر رہا ہے وہ پہلے اپنی بات کریگا دوسرا سنے گا

پھر وہ دوسرا آدمی بات کریگا تو پہلا آدمی سنے گا تو یہ کہا جائیگا کہ آپس میں ہماری ایک دوسرے سے ہمکلامی ہوئی ہے ایسا تو نہیں ہوگا کہ دونوں ساتھ بولے اگر دونوں ساتھ بولیں تو دونوں ساتھ نہیں سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کے واسطے سے ہمارے نبی پاک ﷺ پر پورا قرآن پاک نازل فرمایا تو گویا اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوگئے، قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوئے اب بندہ جو ہے وقتاً فوقتاً کلام اللہ کی تلاوت کررہا ہے تو اللہ سے ہم کلامی ہوئی یا نہیں؟ اللہ نے نازل کردیا اور ہمیں حکم دیا کہ تم پڑھتے رہو جتنا پڑھتے جاؤ گے اتنی اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی ہوگی۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا جیری صاحب ایک بہت اچھا واقعہ اس سلسلے میں ذکر کرتے تھے اکثر بخاری شریف کا جب ختم ہوتا تو یہ واقعہ ذکر فرماتے تھے کہ بھائی ایک چھوٹے سے واقعے سے ہم بہت اچھے طریقے سے سبق سیکھیں۔ ہندوستان کے بادشاہ اورنگزیب [1]

---

[1] اورنگزیب [illegible] شاہجہاں [illegible] دارا شکوہ [illegible] [illegible]

ہوا ہو اس کو چیت کبرا موتی کہہ سکتے ہیں یہ آنسوں موتی نہیں ہے لیکن شعر برابر ہو گیا۔ تو اورنگ زیب نے جواب لکھکر بھیج دیا۔

عقل و فراست کے ذریعہ اپنے آپ کو نامحرم سے ملنے سے بچانا:

شاہ ایران کو شعر بہت پسند آیا کہ یہ شاعر کون ہے؟ اس سے ملاقات کرنی چاہئے تاکہ ہم کلامی کا شرف حاصل ہو جائے، پھر انہوں نے لکھ کر بھیجا کہ وہ شاعر سے ملنا چاہتے ہیں، کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اورنگ زیبؒ بڑے اللہ والے تھے تو انہوں نے سوچا شاہ ایران ایک اجنبی آدمی ہے تو وہ میری لڑکی سے کیسے مل سکتا ہے؟ تو دوبارہ فکر مند ہوئے تو پھر زیب النساء نے پوچھا تو اورنگ زیبؒ نے فرمایا وہاں سے جواب آیا اور آپ کا شعر بہت پسند آیا ایک مصیبت تو پوری نہیں ہوئی، اور دوسری مصیبت آگئی کہ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے، کلام کرنا چاہتا ہے تو زیب النساء نے کہا کہ کوئی فکر کرنے کی بات نہیں، چند شعر میں آپ کو لکھ کر دیتی ہوں، آپ ان کو ارسال کر دیں، ان سے ملاقات بھی ہو جائے گی، اور کچھ گفتگو بھی، بادشاہ کو وہاں سے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور مجھکو وہاں جانے کی بھی ضرورت نہیں تو اس نے دوسرا شعر لکھ کر بھیجا کہنے لگی

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنے کلام میں اس طرح چھپی ہوئی ہوں جیسا کہ پھول کی خوشبو پھول کی پتیوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے اسی طرح میں اپنے کلام میں چھپی ہوئی ہوں تو جو شخص مجھ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے، وہ میرا کلام پڑھ لے اسی میں میری ملاقات ہو جائے گی۔ تو حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ جب

دنیا کی ایک شاعر وا پنے کلام کے بارے میں یہ تاثر دے رہی ہے کہ میرا کلام پڑھ لو وہ میری ملاقات کا بدل ہے۔ تو احکم الحاکمین نے جو کلام اتارا ہے، اگر ہم اس کو پڑھیں گے تو کیا اللہ کی ملاقات کا بدل ہو گا یا نہیں؟ (سبحان اللہ) اللہ تعالیٰ کا کتنا احسان وکرم ہے کہ اس نے ہمیں ہم کلامی کا موقع عنایت فرمایا۔ اسی لئے جن لوگوں کو کلام اللہ کی تلاوت کا ذوق ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جو مانگتے ہیں، وہ ان کو مل ہی جاتا ہے۔

ایک بزرگ کا قرآن سے عشق کا واقعہ:

ایک بزرگ کے متعلق سنا کہ وہ کلام اللہ کے بڑے عاشق تھے اور بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے کہ یا اللہ! اگر میرا انتقال ہو جائے تو قبر کی کوئی نعمت دے یا نہ دے، بس قرآن دیدینا تا کہ میں قبر میں پڑھتا رہوں۔ جب انکا انتقال ہو گیا اور ان کی تدفین ہوئی تو ان کی قبر کے پاس سے ایک صاحب کشف بزرگ آدمی گذرے تو انہوں نے ان کی قبر سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز سنی تو ٹھہر گئے اور مراقبہ کیا مراقبے میں ان کا حال کھل گیا تو انہوں نے صاحب قبر سے پوچھا کہ قبر تو عمل کی جگہ نہیں ہے تو اور آپ قرآن کیسے پڑھتے ہو؟ تو صاحب قبر نے جواب دیا کہ میں دنیا میں قرآن کی تلاوت بہت کرتا تھا میرا انتقال ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا تم کو کیا مانگتے ہو؟ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ بس تیرے کلام پاک کی تلاوت چاہئے جس طرح دنیا میں تلاوت کرتا تھا اسی طرح قبر میں بھی تیری تلاوت کا شرف حاصل ہو جائے۔ ایسے واقعات انبیاء کیلئے معجزات ہوا کرتے ہیں۔ جیسے ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھے گئے، اس امت میں اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کو یہ کرامت

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ[1] کے یہاں لوگ حاضر ہوتے تھے۔ بہت سارے لوگ ایسے ہوتے تھے جو کچھ بھی پڑھے ہوئے نہیں ہوتے تھے، ایک آیت بھی نہیں آتی تھی لیکن حضرت ان کو آسان طریقہ بتلادیتے تھے۔ اور فرماتے جو احباب میرے یہاں آتے ہیں دیکھا کہ ان کو قرآن پاک پڑھنے نہیں آتا ہے۔ پوچھا کہ آپکا یہاں کیسے آنا ہوا ہے؟ یہ لوگ کاروباری لوگ تھے اس لئے یہ لوگ ہر مہینے میں ۱۵ دن آتے تھے تو حضرت ان کو پڑھاتے تھے تو اس طرح ابھی سال بھی نہیں گذرا کہ یہ قرآن پاک پڑھنے والے ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا حضرت قرآن پڑھنا آگیا اب گھر والوں کو بھی ہم پڑھا رہے ہیں اسی لئے اب آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان سیکھنا چاہے تو کوئی مشکل نہیں ہے۔

ہمیں بھی اس کی فکر کرنی چاہئے:

ہمارے مسجد کے امام صاحب ہیں، قاری صاحب ہیں ان سے پانچ منٹ کا وقت لے کر روز ایک ایک آیت سیکھ لیا کریں، یا قاعدہ ان سے سیکھیں، اسی طریقے سے جو حضرات قرآن پاک پڑھنا نہیں جانتے ہیں ان کو بھی قرآن پاک پڑھنا آجائیگا، بچے کتنے اسی طریقے

---

[1] حضرت والا ہردوئیؒ: آپ ہردوئی کے رہنے والے ہیں آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمود الحق حقی صاحب بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مجاز صحبت تھے آپ کا سلسلہ نسب حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ سے ملتا ہے آپ کی ابتدائی تعلیم عربی، فارسی، اردو گھر پر ہوئی پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور تعلیم مکمل کی دوران طالب علمی آپ نے اپنی صالح اور طلوتی زندگی کو اس طرح پیش کیا کہ مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ آپ کی طرز زندگی سے بہت متأثر ہوئے اور دوران طالب علمی آپ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ہر ہفتہ سہارنپور سے تھانہ بھون حاضری ہوتی رہی، خصوصاً ایام تعطیل اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں گزارتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی خصوصی توجہ حاصل ہوئی۔ آپ کو حضرت حکیم الامتؒ کی طرف سے کم عمری ہی میں خلافت عطا کی گئی، اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامتؒ کے حکم سے ہی ہردوئی جیسے کفرستان میں علم دین کی وہ شمع روشن کی جس کی روشنی سے عام مسلمان مستفید ہوئے، ہردوئی میں ایک مدرسہ اشرف المدارس کی بنیاد رکھی، جو اب تک کامیابی جاری ہے الحمدللہ۔

سے حافظ ہو جاتے ہیں، ایک آیت ہم روزانہ یاد کریں گے پابندی سے کبھی نہیں چھوڑیں گے تو سال بھر میں ۳۶۰ آیتیں ہمیں یاد ہو جائیں گی۔ چند سالوں میں انسان حافظ ہو جائیگا، ہمارے یہاں بہت سے طلبا کو

رغبت دلائی جاتی ہے تو بہت سے طلباء جو حافظ نہیں ہوتے ہیں وہ حافظ ہو جاتے ہیں۔

جو مولوی حافظ نہیں وہ آدھا مولوی ہے:

میں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا سید عبد الرحیم لاجپوری[1] سے عرض کیا حضرت دعا فرمائیں میں حافظ ہو جاؤں، تو حضرت نے فرمایا مولانا کفایت اللہ[2] جو مفتی اعظم ہند ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو مولوی حافظ نہیں ہوتا ہے وہ آدھا مولوی ہے، واقعتاً اس کی ایک قدر ہوتی ہے، بہر حال یہ اللہ کا ایک نظام ہے کہ بہت سے لوگ بہت ذہین ہوتے ہیں لیکن پھر بھی حافظ نہیں ہوتے یہ مقدر کی بات ہے۔

۱؎ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۲ میں ملاحظہ ہو۔

۲؎ مفتی کفایت اللہ دہلوی: آپ کی ولادت شاہجہان پور یوپی میں ۱۸۷۵ء مطابق ۱۲۹۲ھ ہوئی ۱۹۰۳ء کے بعد آپ دہلی منتقل ہو گئے اور مستقل وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن مالوف کے مشہور مدرسہ اعزازیہ میں حافظ بدھن خان اور مولانا عبدالحق خان سے حاصل کی۔ پھر مدرسہ قاسم العلوم شاہی مرادآباد تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۸ء مطابق ۱۳۱۵ھ میں آپ نے فراغت حاصل کی چنانچہ آپ خود اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں: میرا سن ولادت غالباً ۱۲۹۲ھ ہی ہوگا جو شبہ تحریر میں ہے وہ نہیں لیکن میری عمر کے اس تخمینے کے تحت جو میں نے کیا ہوا ہے میں ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوا۔ آپ مختلف علوم وفنون کے جامع تھے آپ محدث، مفسر، فقیہ، محقق، مصنف، عربی فارسی اردو کے بہترین شاعر اور سیاسیات میں خاص ذوق وبصیرت کے مالک تھے۔ مختلف علوم وفنون کے ساتھ فقہ وفتاویٰ میں آپ کو خاص امتیاز حاصل تھا اور مختلف دینی وملی سرگرمیوں کے ساتھ خدمت افتاء آپ کا خاص مشغلہ رہا فقہ وفتاویٰ کی لائن سے بڑی خدمات انجام دیں۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء اور یکم جنوری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب ساڑھے دس بجے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے احاطے کے قریب آپ کے جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کی مشہور تصنیف کفایت المفتی جو ۹ جلدوں میں ہیں اور تعلیم الاسلام بھی مشہور ہے جو کئی مدارس ومکاتب میں داخل درس ہے۔

حضرت مفتی محمد کلیم صاحب دامت برکاتہم کا

یہ بیان ------ ------

الحمد لأهله والصلوة على أهلها، أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم۔ یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون۔ وقال النبی ﷺ النکاح من سنتی وأنه قال وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ وقال النبی ﷺ أربع من سنن المرسلین النکاح والسواک والتعطر والحیاء[1] أو کما قال ﷺ۔

خدا در انتظار حمد ما نیست — محمد چشم بر راہ ثنا نیست
محمد حامد حمد خدا بس — خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس
محمد از تو می خواہم خدا را — خدایا از تو حب مصطفیٰ را

وقال الله تعالیٰ فی شأن حبیبه یا أیها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔ اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی آله وأصحابه وبارک وسلم۔

بزرگان محترم: آج کی ہماری یہ دینی تقریب جس میں جو نکاح منعقد ہوا ہے اس نسبت سے منعقد کی گئی ہے موقع ومحل کے اعتبار سے کوئی بات کی جاتی ہے وہ زیادہ موزوں اور مناسب ہوتی ہے اس لئے سوچا کہ نکاح ہی کے تعلق سے چند گزارشات پیش کروں۔

اللہ رب العٰلمین ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سب سے پہلے جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں سورۂ فاتحہ اس کی پہلی آیت میں اپنی ایک اہم اور خاص صفت کا تذکرہ کیا ہے۔۔ الحمد للہ رب العالمین، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں۔ جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے، لغوی بحث کی

[1] ترمذی شریف باب [illegible] ۲۰۶۔

صفات ہیں، ۹۹ نام ہم پڑھتے ہیں اور بعض علماء نے اس کے علاوہ ناموں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ سب اللہ کے صفاتی نام ہیں، وہ تمام عالموں کا پالنے والا ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں ۴۰ ہزار عالم ہیں۔ بعض فرماتے ہیں ۸۰ ہزار عالم ہیں۔ جتنے بھی ہوں صرف اللہ پالنے والا ہی نہیں بلکہ اس کی ساری ضروریات کی کفالت کرنے والا بھی ہے، رب اس ذات کا نام ہے جو اپنی مخلوق کی ابتداء سے انتہا تک ساری ضرورتوں کو پورا فرمائے اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت، اب اللہ کی یہ بے شمار مخلوق ہیں اللہ ہر ایک کی ضروریات کو پوری فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ روزی کیسے پہونچاتا ہے؟

امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کیسے روزی پہونچاتا ہوگا؟ تو اللہ نے ان کو حکم دیا کہ آپ کے سامنے ایک پتھر ہے اس کو توڑ دو۔ حضرت موسیٰ نے پتھر توڑ دیا۔ اس کے اندر سے اور ایک پتھر نکلا اس کے اندر سے اور پتھر نکلا تو یہ مختلف پتھر نکلے، آخری پتھر میں سے ایک جانور نکلا اور وہ جانور اپنے منھ میں کسی چیز کو چبا رہا تھا حضرت موسیٰ نے عرض کیا سبحان اللہ اللہ تیری ذات پاک ہے ایسی جگہ جہاں نہ راستہ ہے نہ ہوا کا راستہ ہے۔ نہ روشنی کا راستہ وہاں بھی اپنی مخلوق کو روزی پہونچاتا ہے۔ معلوم ہوا اللہ اسباب کا محتاج نہیں، بغیر اسباب کے اللہ ہر ضرورت کو پوری فرماتا ہے اللہ رب العالمین ہے۔

اللہ حکیم ہے:

اس کے ساتھ حکیم بھی ہے اس کے ہر فعل ہر چیز میں حکمت ہے تو اللہ نے مخلوقات

۱ـ امام فخر الدین رازیؒ کے حالات اصول تحفہ برائے طلبہ مدارس کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

میں شریف ترین مخلوق انسان کو بنایا اور اس انسان کو دنیا میں اس لئے بھیجا تاکہ یہ انسان آخرت کی تیاری کرے۔ یقین ظاہر بات ہے انسان دنیا میں رہتا ہے، زندگی بسر کرتا ہے تو اس کے لئے اسباب بھی مہیا فرمائے ان اسباب کے تحت وہ زندگی گزارتا ہے، کوئی بھی انسان دنیا میں زندہ اس وقت تک رہتا ہے جبکہ وہ کھائے پیئے، معلوم ہوا کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں انسان کے ساتھ اس کے کھانے پینے کی حاجت رکھی ہے، ہر انسان کے پیٹ میں بھوک کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔ ہر انسان کی طبیعت میں پیاس کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے، اب ایسا تو ہو نہیں سکتا ہے اللہ کی حکمت کے خلاف ہے کہ اللہ اپنی مخلوق میں خصوصاً انسانوں میں بھوک اور پیاس کے تقاضہ کو پیدا کردے، اور بھوک کو مٹانے کے لئے کوئی اسباب نہ بنائے۔ اس کی حکمت والی ذات کا تقاضہ یہی ہے کہ جہاں آپ نے بھوک پیدا کی، پیاس پیدا کی، وہیں پر اللہ نے اس کو ہٹانے کے اسباب بھی فراہم فرمائے، چنانچہ جہاں انسان کو بھوک لگتی ہے کہیں نہ کہیں وہ روزی تلاش کرتا ہے، بھوک مٹاتا ہے، پیاس لگتی ہے، پینے کی چیز تلاش کرتا ہے، اللہ نے پینے کے لئے دریا، نہر، چشمے جاری فرمادئے اور اس کے ذریعہ سے وہ اپنی پیاس مٹاتا ہے، لیکن اپنی بھوک مٹانے میں اپنی پیاس مٹانے میں جن اشیاء اور اسباب کو اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس میں انسان آزاد نہیں ہے کہ بھوک مٹانے کے لئے جو جی میں آئے کھالے، جو جی میں آئے پیاس مٹانے کے لئے اسے استعمال کرلے، مردار کھالے، یا کسی کا ناحق مال کھالے۔ چوری کرکے مال کھالے، خیانت کرکے کھالے، اس میں وہ آزاد نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حدود مقرر فرمائے ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے پیٹ کی آگ کو بجھاوے۔ پیاس لگی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ پیشاب پی لے، شراب پی لے، نشہ آور چیز پی لے، اس کی اجازت نہیں۔ اس کے لئے بھی حد مقرر فرمائی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: کلوا من الطیبات واعملوا صالحا (سورۃ المؤمنون پ ۱۸) پاکیزہ

چیزیں کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔ کھانے اور پینے میں اللہ نے اجازت تو دی لیکن اس کے لئے بھی حدود مقرر فرمادئے۔ انسان کو آزاد نہیں چھوڑ رکھا۔

اللہ نے انسان میں شہوت بھی رکھی اور اس کو پورا کرنے کا صحیح طریقہ بھی بتلادیا:

اسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعتوں میں خواہشات اور شہوات کا مادہ بھی رکھا ہے۔ ایک عمر جب ہوجاتی ہے اور بلوغ کو انسان پہونچ جاتا ہے تو اس کے دل میں اپنی شہوات کو سکون پہونچانے کے لئے اور اس کو پورا کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات حکیم ہے تو اب ایسا تو ہو نہیں سکتا ہے کہ انسان کی طبیعت میں شہوت پیدا ہو، اور جذبات پیدا ہوں پھر اس کے مٹانے کے لئے کوئی موقع اور محل اللہ نہ بنائے جیسے بھوک اور پیاس کو مٹانے کے لئے اللہ نے اسباب اور اشیاء فراہم فرمائے، ایسے ہی انسان کی شہوانی جذبات کو پورا کرنے کے لئے بھی اسباب، موقع، اور محل عطا فرمایا۔ اللہ رب ہے اس نے ہر ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام فرمادیا۔ پھر جیسے کھانے پینے میں وہ آزاد نہیں ہے، ایسے ہی جذبات کو پورا کرنے میں وہ آزاد نہیں ہے کہ جہاں چاہے وہ اپنے جذبات پورا کرے، جہاں چاہے وہ اپنی شہوت پوری کرے۔ اس کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے بھی حدود مقرر فرمادیا۔ قرآن پاک میں پورا رکوع بتلا دیا گیا۔ حرمت علیکم امھتکم (سورۃ النساء، پ ۴) تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہن، خالہ، پھوپھیاں کی طرح وہ جو دوسروں کے نکاح میں ہیں مشرکات ہیں وہ سب تمہارے اوپر حرام کردی گئی ہیں۔ ہاں اس کے علاوہ تمہارے لئے حلال ہیں ان کے ساتھ نکاح کے ذریعہ سے تم اپنی خواہشات پوری کرو۔ تو اللہ نے انسان کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بھی موقع ومحل بنایا۔ نکاح کے ذریعہ

سے اپنے جذبات پورا کرو، نہ یہ کہ حرام اور ناجائز طور پر اپنے جذبات پورا کرو۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا اس وقت سے یہ نکاح والے سلسلہ کو جاری فرمایا۔ جنت کے اندر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا، اکیلے تنہا انسان تھے فرشتے تھے، اور شیطان تھا۔

اللہ نے حضرت حواؑ کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا کیا:

حافظ ابن کثیرؒ[1] نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ نے حضرت آدمؑ پر غنودگی طاری فرمادی۔ دنیا میں ہمیں نیند اور اونگھ تھکان کی وجہ سے آتی ہے۔ جنت میں تھکان نہیں ہے لیکن وہاں ایک مصلحت کی وجہ سے ان پر اونگھ طاری کردی۔ تھوڑی دیر آنکھ لگ گئی۔ اللہ نے ان کی بائیں طرف والی پسلی سے حضرت حواءؑ کو پیدا کیا۔ یہ روایت مفسرین نے ذکر کی ہے۔ اور بعض علماء نے اس کو اسرائیلیات میں شمار کیا ہے لیکن بہرحال اس کا کوئی قرآن پاک کی آیات سے تعارض نہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کی حکمت ہوگی بعض علماء نے اور تاویل کی ہے۔ لیکن بہت سے مفسرین نے یہ بات ذکر کی ہے کہ اللہ نے حضرت حواءؑ کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا[2]۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ان ہی کی طرح ایک انسان سامنے کھڑا ہوا ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں حضرت آدمؑ کو ان سے انسیت پیدا ہوگئی کوئی وحشت اور ڈر پیدا نہیں ہوا۔

---

۱ حافظ ابن کثیر کے حالات "جواہر حنفیہ" ج ۱ میں ملاحظہ ہوں۔

۲ {وخلق منها زوجها} حواء بالمد من ضلع الخ (تفسیر الجلالین مع الصاوی، سورۃ النساء آیت ۱)

حضرت حوا کو بائیں پسلی سے پیدا کرنے کی حکمت:

بہت سے اہل علم بھی ہیں ہمارے طلبا بھی ہیں۔ ایک طالب علمانہ اشکال یہاں ہو سکتا ہے کہ اللہ نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا فرمایا، حضرت حوا کو بھی مٹی سے پیدا فرماتے۔ اللہ نے حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے کیوں پیدا کیا۔ حقیقی حکمتیں اور مصلحتیں اللہ ہی جانتا ہے لیکن حضرات علماء غور و فکر کرکے بعض نکات اور بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا قلب بائیں طرف ہوتا ہے اور دل یہ مقام محبت ہے۔ موضع محبت ہے تو حضرت حوا کو دل کے قریب والی پسلی سے اس لئے پیدا کیا تاکہ میاں اور بیوی کے اندر محبت کے جذبات پیدا ہوں۔ یہ محبت کی جگہ ہے۔ محبت کا اثر پسلی کے اندر اور پسلی کا اثر عورت کے اندر تو میاں اور بیوی کے اندر محبت کے جذبات باقی رہیں نفرت و وحشت نہ ہو اس لئے حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا یہی وجہ ہے کہ حضرت آدمؑ کو وحشت نہیں ہوئی۔ آگ سے بنا دیتے اور کسی چیز سے بنا دیتے تو ممکن تھا کہ وحشت ہو جاتی۔ حضرت آدمؑ کو انسیت ہوگئی۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

سوال ہوتا ہے کہ جب اللہ کو یہی مقصود تھا کہ میاں بیوی میں محبت کے جذبات پیدا ہوں اور اسی وجہ سے دل کے قریب والی پسلی سے پیدا کیا تاکہ اس میں محبت کا اثر باقی رہے تو اس سے زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ دل ہی کے ایک ٹکڑے سے عورت کو بنا دیا جاتا تو سراپا محبت بن جاتی۔ یہ بیوی اور شوہر کے اندر کبھی نا اتفاقی اور لڑائی جھگڑا ہی نہ ہوتا ہمیشہ محبت کے ساتھ دنیا میں رہتے تو دل کے ٹکڑے سے کیوں نہیں بنایا؟ علماء لکھتے ہیں کہ دل اللہ نے اپنے لئے بنایا کہ دل میں میری محبت ہو

اور جتنے بھی لوگ ہیں ان کی محبت دل سے باہر ہو تو دل کو اللہ نے اپنی محبت کے لئے پیدا کیا اس لئے دل کے ایک ٹکڑے سے عورت کو نہیں بنایا۔

آپ ﷺ کا ایک ارشاد:

اسی لئے حضرت صدیق اکبرؓ کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا[1] لیکن میں نے اپنے رب کو خلیل بنالیا۔ خلیل خلت ایسا مقام ہے دوستی کا جو دل کی گہرائیوں میں ہوتا ہے، اس مقام پر تو اللہ ہی کی محبت ہونی چاہیے۔ اگر کسی اور کو خلیل بنایا جا سکتا تھا تو ابوبکرؓ ہی کو بناتا۔ لیکن اس مقام میں اللہ کے سوا کسی کی محبت کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت آدمؑ اور حواؑ کا نکاح اور مہر کی ادائیگی:

منشاء عرض کرنے کا یہ ہے کہ حضرت حوا کو پیدا کیا اور نکاح کی مجلس منعقد ہوئی، شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ نے "مدارج النبوۃ" میں لکھا ہے اور شرح ترمذی المواھب اللدنیہ میں بھی یہ بات نقل کی ہے کہ فرشتوں کی مجلس میں حضرت آدمؑ وحوا کا نکاح باقاعدہ منعقد ہوا۔ اور جب نکاح ہو گیا تو حکم ہوا کہ آدم سے اپنے مہر کا مطالبہ کرو۔ نکاح تو ہو گیا مہر ادا کر دو، حضرت آدمؑ نے عرض کیا اللہ ساری نعمتیں جنت میں تیری ہیں، اب میں مہر میں کیا دوں، حضرت آدمؑ سے کہا گیا آپ کی

---

[1] عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال خطب رسول اللہ ﷺ الناس وقال ان اللہ خیر عبدا بین الدنیا وبین ما عندہ فاختار ذلک العبد ما عند اللہ قال فبکی ابو بکر فعجبنا لبکائہ ان یخبر رسول اللہ ﷺ عن عبد خیر فکان رسول اللہ ﷺ ھو المخیر وکان ابو بکر ھو اعلمنا فقال رسول اللہ ﷺ ان من امن الناس علی فی صحبتہ ومالہ ابو بکر ولو کنت متخذا خلیلا غیر ربی لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن اخوۃ الاسلام ومودتہ لا یبقین فی المسجد باب الا سد الا باب ابی بکر (بخاری ج ۱ ص ۵۱۲)

ذریت میں اور آپ کی اولاد میں آنے والے محمد رسول اللہ ﷺ سید الانبیاء والمرسلین ہوں گے، خاتم الانبیاء والمرسلین ہوں گے۔ ان پر تین مرتبہ اور ایک روایت میں ہے کہ بیس مرتبہ درود شریف پڑھ دو یہ آپ کے نکاح کا مہر ہو جائے گا (فضائل اعمال: فضائل درود شریف) چنانچہ رسول اللہ ﷺ پر حضرت آدمؑ نے تین مرتبہ یا بیس مرتبہ درود شریف پڑھا یہ نکاح کا مہر ہو گیا۔

مہر کی اقل مقدار:

سوال ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ہم ایسا مہر رکھ دیں تو چلے یا نہیں؟ چند مرتبہ درود شریف پڑھ لیوے بات ختم ہو جاوے۔ جواب یہ ہے کہ ایک ملک کی کرنسی دوسرے ملک میں نہیں چلا کرتی ہیں، جنت میں وہ کرنسی چلتی ہیں۔ یہاں دنیا میں نہیں چلتی ہیں، یہاں تو کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم بتلائی گئی ہے۔ یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی۔ ۳۱ گرام چاندی یا اس کی قیمت جس دن نکاح ہو کم سے کم مہر اس دن اتنا ہونا چاہئے۔ اور مہر فاطمی وہ بھی مستحب لکھا ہے علماء نے جو ۱۳۱ (تولہ چاندی) یا اس کی قیمت ہوتی ہے، جس دن نکاح ہو۔

نکاح سارے انبیاء کی سنت رہی:

بہر حال اللہ نے انسانی ضرورت کے پیش نظر جنت ہی سے نکاح والے سلسلہ کو جاری فرمایا اور پھر دنیا میں جتنی بھی انفاس قدسیہ یعنی پاکیزہ شخصیات آئیں ان کے ذریعے سے نکاح کی سنت کو جاری فرمایا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں نے تلاوت کی جس میں اللہ کے رسول کا ارشاد ہے۔ چار چیزیں سارے انبیاء کی سنت رہی۔ نکاح، مسواک، عطر، حیا۔ سنت کہتے ہیں الطریقۃ المسلوکۃ وہ راستہ جس پر لوگ چلتے آئے ہوں یا چل رہے ہوں سارے انبیاء

نے نکاح کے سلسلہ کو دنیا میں جاری رکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح نہیں کیا، آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ لیکن وہ بھی قرب قیامت دنیا میں تشریف لائیں گے نکاح کریں گے اولاد بھی ان کی ہوگی۔ تو نکاح سارے انبیاء کی سنت ہیں۔

آپ ﷺ کو جوامع الکلم کا معجزہ دیا گیا تھا:

یہ چھوٹی سی حدیث ہے غور کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے اس میں چار کلمے ارشاد فرمائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزات عطا کئے تھے علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں ۱۰ ہزار سے بھی زیادہ معجزات اللہ کے رسول ﷺ کو عطا کئے گئے، مستقل اس پر علماء نے کتابیں لکھی ہیں "خصائص الکبریٰ" "دلائل النبوۃ" "مدارج النبوۃ" اس کے علاوہ بہت ساری کتابیں ہیں انہیں میں سے ایک روایت کے اندر آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ اعطیت جوامع الکلم[1] ایک معجزہ آپ ﷺ کو یہ عطا کیا گیا کہ آپ کی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ ایسے کلمات نکلواتے ہیں کہ جو جامع ہوتے ہیں یعنی ان کے الفاظ تو بہت مختصر ہوتے ہیں لیکن اس کے اندر بڑی حقیقتیں اور بہت سارے امور پر وہ مشتمل ہوتے ہیں، دیکھئے یہ حدیث کہ چار چیزیں ساری انبیاءؑ کی سنت ہیں لیکن ان چار چیزوں پر غور کرتے ہیں کہ پوری زندگی کی پاکیزگی اور طہارت کا سبق اللہ کے رسول نے ہمیں اس میں دیا ہے۔

---

[1] عن ابی ھریرۃ ان رسول ﷺ قال: فضلت علی الانبیاء بست، اعطیت جوامع الکلم، ونصرت بالرعب واحلت لی المغانم وجعلت لی الارض طہورا ومسجدا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون، (مسلم شریف ج ص ۱۹۹ کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

ہر چیز کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے:

ہر چیز کی دو حالت ہے: ایک اس کا ظاہر۔ اور ایک اس کا باطن۔ انسان بہترین مکان بناتا ہے تو اس کو اندر سے بھی مزین کرتا ہے۔ اور باہر سے بھی مزین کرتا ہے۔ باہر سے گھر اچھا ہے لیکن اندر غبار کوڑا کرکٹ ہو تو وہ گھر ناقص کہلاتا ہے۔ اور اگر اندر بہت اچھا ہے۔ اور باہر خراب ہو تو بھی وہ گھر ناقص کہلاتا ہے۔ ایسے ہی انسان مرکب ہے دو چیزوں سے: ایک اس کا ظاہری بدن۔ اور ایک اس کی روح اور دل ہے، دونوں چیزوں کا پاکیزہ رہنا ضروری ہے، اگر انسان ظاہری طور پر تو خوب Tip top میں رہے اور بہترین خوشبو استعمال کرے اعلیٰ سے اعلیٰ لباس پہنے، لیکن دل کے اندر بیماری ہو تکبر ہو، کینہ، بغض، نفاق، شرک ہو تو ظاہری بدن کسی کام کا نہیں۔ اور اگر انسان دل کے اندر سارے اوصاف جمیلہ اور اخلاق حسنہ کو جمع کرلے لیکن ظاہر میں گندہ رہے۔ پیشاب، پاخانہ میں اس کے کپڑے بھرے ہوں۔ بدن کے اندر نجاست لگی ہو تو اس کی نماز بھی نہیں۔ اس حالت میں وہ طواف بھی نہیں کرسکتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے دونوں قسم کو یعنی ظاہر کو اور باطن کو بھی پاک رکھنے کا حکم دیا۔

حدیث بالا میں مسواک اور عطر کا تعلق ظاہری صفائی سے ہے:

اس حدیث میں چار چیزیں بتلائی گئی ہیں: دو چیزیں تو ایسی ہیں جو انسان کے بدن کو پاکیزہ رکھتی ہیں۔ دو چیزیں ایسی ہیں کہ اس سے انسان کا دل اور روح پاکیزہ رہے۔ پہلی چیز ہے مسواک اور دوسری چیز ہے عطر۔ دونوں چیزوں کا تعلق انسان کی ظاہری نظافت اور پاکیزگی کے

ساتھ ہے۔ مسواک کا اہتمام انسان کرتا ہے تو منہ صاف ہو جاتا ہے، بدبو دور ہو جاتی ہے، خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ عطر کا استعمال انسان اس وقت کرتا ہے جب غسل کر کے صاف ستھرے کپڑے پہن لے اور پاک صاف ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ عطر کا موقع اور محل طہارت اور نظافت کے بعد ہے۔ رسول ﷺ جو حکم فرما رہے ہیں مسواک اور عطر گویا اس سے آپ نے پورے ظاہری بدن کی نظافت کا حکم دیا۔ مسواک کا اہتمام کرو، کپڑے بھی اچھے صاف ستھرے رکھو۔ بدن بھی صاف ستھرا رکھو اور خوشبو اور عطر کا استعمال تم کرو۔ مسواک بڑی عظیم سنت ہے۔ اس کے کئی فوائد ہیں۔ مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نے "مشکوۃ شریف" کی ایک شرح لکھی ہے "التعلیق الصبیح" اس کے اندر کئی مصالح اور حکمتیں ذکر کی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسواک کا اہتمام:

جناب رسول اللہ ﷺ اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ جب آپ گھر میں تشریف لے جاتے "ابوداؤد شریف"[1] میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، پوچھا گیا حضرت صدیقہؓ سے حضور گھر میں تشریف لاتے تو کس چیز سے ابتداء کرتے؟ تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں مسواک سے ابتداء کرتے۔ گھر میں آتے تو مسواک کا اہتمام، وضو کے موقع پر، نماز کے موقع پر، نیند سے اٹھنے کے وقت، ان مواقع پر مسواک کا اہتمام ثابت ہے۔ وہ نماز جو مسواک کر کے پڑھی جاتی ہے اس کا ثواب مسواک نہ کی جانے والی نماز کے مقابلہ میں ۷۰ گنا بڑھ جاتا ہے[2]

---

[1] ابوداؤد ص ۸، عن عائشة ان النبي ﷺ كان اذا دخل بيته بدأ بالسواك (مسلم شريف ج ۱ ص ۱۲۸)

[2] صلوة بسواك افضل من سبعين صلوة بغير سواك (مسند احمد، بحواله المنهل المنشود شرح ابی داود ص ۱۵۵)

فرشتے تلاوتِ قرآن سے لطف اندوز ہوتے ہیں:

مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے "مسند بزار" کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے۔ انسان جب قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو اس کے قرآن کریم کے کلمات سنتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔[1] فرشتے قرآن پڑھنے پر قادر نہیں، یہ چیز اللہ نے انسانوں کو دی ہے، کہ وہ اس کا کلام پڑھ سکتے ہیں۔ جہاں تلاوت ہوتی ہے وہاں فرشتے آجاتے ہیں۔ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے اور اس میں قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس تلاوت سے لطف اٹھانے کے لئے اس کے قریب آتا ہے اور رفتہ رفتہ اتنے قریب آجاتا ہے کہ اپنا منہ اس مصلی کے منہ پر رکھ دیتا ہے۔[2] گویا "مسند بزار" ہی کی روایت ہے، حضرت علیؓ راوی ہیں کہ تم اس فرشتے کے لئے اپنے منہ کو مسواک سے صاف کرو۔ فرشتے بھی انسان کی نماز کے موقع پر آتے ہیں اور اس کی تلاوت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

مسواک کا ایک اہم فائدہ:

اور فرمایا کہ مسواک کا ایک فائدہ یہ ہے کہ مرتے وقت انسان کو کلمہ نصیب ہوتا ہے۔[3]

---

[1] رواہ البزار فی مسندہ من حدیث علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مرفوعاً ان العبد اذا تسوک ثم قام یصلی قام الملک خلفہ فیستمع لقراءتہ فیدنو منہ او کلمۃ نحوھا حتی یضع فاہ علی فیہ فما یخرج من شیء من القرآن الا صار فی جوف الملک فطھروا افواھکم للقرآن (التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح، باب السواک ج ۱ ص ۲۰۰، المکتبۃ الفخریہ بدیوبند)

[2] اذا قام احدکم یصلی من اللیل فلیستک فان احدکم اذا قرأ فی صلاتہ وضع ملک فاہ علی فیہ ولا یخرج من فیہ شیء الا دخل فم الملک (شعب الایمان، امام بیہقی بحوالہ فرشتوں کے عجیب حالات ص ۳۱ مطبوعہ دیوبند)

[3] انہا تذکر الشہادۃ عند الموت (مرقات شرح مشکوٰۃ، مکتبہ فیصل دیوبند، ج ۲ ص ۸۳)

حرام تک پہونچانے والی چیز حرام ہے:

لیکن یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نکاح کو ذکر کیا، حیاء کو ذکر کیا۔ نکاح کے ساتھ مسواک اور عطر کو کیا مناسبت ہے؟ اور اس میں کیا جوڑ ہے؟ اللہ کے رسول کی ان باتوں میں بڑی حکمتیں بھری ہیں۔ اسلام کے اندر یہ اصول ہے کہ جو چیز حرام ہوتی ہے، ناجائز ہوتی ہے تو اس حرام تک پہونچانے والی چیزوں کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ شرک یہ "اکبر الکبائر" ہے۔ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے کہ اس کی مغفرت ہی نہیں۔ ابتداء میں جب دنیا میں شرک شروع ہوا تو تصویر سازی سے شروع ہوا۔ اپنے بزرگوں کی لوگوں نے تصویریں بنا رکھی، اور پھر ان کی تعظیم کرنے لگے، ابتداء میں پہلا طبقہ تو وہ تعظیم کرنے لگے۔ دوسرا طبقہ آیا تو وہ ان سے سامنے منتیں مانگنے لگے، تیسرا طبقہ آیا تو انہوں نے ان کو خدا بنالیا، اور انہیں کی عبادت شروع کردی۔ یہ تصویر چونکہ شرک تک لیجانے والی تھی اس لئے اس کو حرام قرار دیا گیا۔ ایسی کوئی بھی دوسری چیز جو حرام تک لیجانے والی ہوگی۔ تو وہ بھی حرام ہوگی۔

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے:

نکاح جب ہوتا ہے تو نکاح کا مقصود یہ ہے کہ نکاح کا بندھن زندگی بھر تک قائم رہے۔ جہاں یہ نکاح ختم ہوتا ہے اور طلاق کی نوبت آتی ہے۔ تو اللہ کے یہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز شمار کی جاتی ہے۔ ابغض المباحات عند اللہ الطلاق[1] حدیث میں ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک جائز چیزوں میں ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ ضرورت کے موقع پر طلاق

---

[1] عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق (ابوداؤد کتاب الطلاق، ص ۲۹۶)

کی اجازت ہے۔

طلاق ہمارے نزدیک کھلونا بن گئی ہے:

آج کل لوگوں نے اس کو کھلونا بنالیا ہے، کوئی کہتا ہے جامیں نے تجھے نرک بھر کر طلاق دی۔ کوئی کہتا ہے ۱۰۰ طلاق دی۔ کوئی کہتا ہے ۱۰۰۰ طلاق دی، اور جب نشہ اترتا ہے، تو رات میں ۲ بجے بیل بجاتے ہیں کہ مفتی صاحب بہت اہم مسئلہ پیش آگیا ہے۔ جب کوئی ایسا رات میں آتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ طلاق کا کوئی مسئلہ ہوگا۔ اوپر سے ہی پوچھتا ہوں کیا مسئلہ ہے۔ کہتا ہے بڑا نازک ہے کیا نازک، وہ کہتا ہے طلاق کا مسئلہ ہے۔ تو کہتا ہوں ہوگئی جا اب گھر جا کر آرام سے سوجا۔ بہر حال لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تین طلاق سے ہی طلاق ہوتی ہے، ایک طلاق سے نہیں ہوتی طلاق کے مسئلہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ:

حالانکہ اسلام نے یہ طریقہ بتایا کہ میاں بیوی کے درمیان صلح اور مصالحت کے بعد بھی معاملہ نہیں بنتا ہے، تو ایک طلاق دیدو، پاکی کے زمانہ میں۔ عدت کے دوران اگر ندامت ہوگئی تو وہ رجوع کرسکتا ہے، عدت اگر پوری ہوگئی اور رجوع نہیں کیا تو نکاح ختم ہوجائے گا۔ زندگی میں جب بھی دوبارہ نکاح کرنا ہے تو کرسکتا ہے کتنی آسان شکل شریعت نے بتائی ہے۔

طلاق سے شیطان کا خوش ہونا:

اللہ کے رسول نے اس کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ فرمایا ہے، بلکہ حدیث شریف میں ہے شیطان پانی پر اپنا تخت بچھاتا ہے۔ اپنے چیلے چپاٹوں کو چھوڑتا ہے، جاؤ اپنا کام کرکے

آتا ہے۔ ایک آتا ہے کہ میں نے فلاں کی نماز قضا کروادی۔ سب کو کہتا ہے کہ تم نے کوئی خاص کام نہیں کیا۔ ایک آتا ہے کہ میں نے میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کروا دیئے۔ یہاں تک کہ طلاق دونوں میں کروادی۔ تو وہ اپنے سینہ سے اس کو چمٹا لیتا ہے کہ تو نے بڑا اچھا کام کیا[1] اس لئے کہ طلاق سے بظاہر میاں بیوی میں جدائی ہوگئی۔ لیکن اس کے بعد جو حالات و فسادات آتے ہیں وہ اور زیادہ سنگین ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر بعض لوگ تو تین طلاق دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود ساتھ میں رہتے ہیں اور ظاہر ہے اب جو اولاد ہوگی وہ ناجائز اور حرام ہوگی۔ اور اگر بیا الگ رہتا بھی ہے تو دونوں ایک دوسرے کے حق کو مارنے پر اور ایک دوسرے کی عزت و آبرو کو ختم کرنے پر تلے رہتے ہیں، اور مقدمات دائر کرنے میں مشغول رہتے ہیں، دونوں فریقوں میں قتل وقتال کی نوبت آجاتی ہے۔ بظاہر دو تین الفاظ بول دیئے۔ لیکن اس کا کتنا بڑا نقصان ہے۔ شیطان تو خوش ہوتا ہے اور اللہ ناراض ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں جو الفاظ ارشاد فرمائے اس میں بڑی حکمت ہے کہ نکاح کا جو مقصد ہے وہ یہ ہے کہ یہ تعلق زندگی بھر تک قائم رہے۔ اس لئے نکاح کو توڑنے والے اسباب کو بھی اختیار کرنے سے بھی خاص منع کیا۔

نکاح کے ساتھ عطر اور مسواک کو ذکر کرنے کی وجہ:

نکاح کے ساتھ خاص ان اسباب کو ذکر کیا جو نکاح کو دیر تک قائم رکھے۔ انسان کی طبیعت کے اندر بدبو سے نفرت ہوتی ہے، اس لئے کوئی میلا کچیلا، پسینہ میں شرابور آدمی ہمارے

---

[1] عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ ان ابلیس یضع عرشہ علی الماء ثم یبعث سرایاہ فادناھم منہ منزلۃ اعظمھم فتنۃ یجیء احدھم فیقول فعلت کذا وکذا فیقول ما صنعت شیئا قال ثم یجیء احدھم فیقول ما ترکتہ حتی فرقت بینہ وبین امرأتہ قال فیدنیہ منہ ویقول نعم انت قال الاعمش اراہ قال فیلتزمہ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۷۶ باب تحریش الشیطان الخ)

قریب آتا ہے تو ہم اپنے قریب اس کو بیٹھنے نہیں دیتے۔ کوئی انگریزی سگریٹ پی کر آیا تو ہم اس سے دور بھاگتے ہیں۔ انسان کی طبیعت میں بدبو سے نفرت ہے، اور خوشبو انسان کے دل میں محبت کے جذبات کو پیدا کرتی ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دینی تعلیم کی غرض سے عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت تھی۔ نئے نئے احکام اترتے تھے لیکن یہ شرط تھی کہ خوشبو لگا کر نہ آئیں۔ کیونکہ خوشبو لگا کر آئے گی تو لوگوں کی نظریں اس کی طرف جائیں گی۔ لیکن حدیث میں خاص انبیاء کی سنت بتلائی۔ عطر لگانا اور مسواک کا کرنا۔ تو مقصود یہ کہ ساتھ ساتھ یہ بھی ہونا چاہئے کہ زوجین دانت کو بھی اچھی طرح صاف کرلے، اور خوشبو کا اہتمام کرے تاکہ پہلی ملاقات میں شروع ہی سے محبت کے جذبات پیدا ہوں نفرت کے جذبات پیدا نہ ہوں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان دو چیزوں کو خاص نکاح کے موقعہ پر ذکر فرمایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول نے ہر چیز کے آداب بتلائے۔ شوہر سفر کے اندر ہے، جب سفر سے واپسی ہورہی ہو تو فرمایا: سفر سے واپسی پر سیدھے ہی گھر نہ چلا جاوے، بلکہ اطلاع دے کہ میں آرہا ہوں، تاکہ عورت صاف ستھری ہوکر شوہر کے سامنے آئے [1] تو جب سفر سے لوٹ کر پہلی نظر بیوی پر پڑے تو محبت کے جذبات پیدا ہوں۔ میلے کچیلے کپڑے، اور گندی ہوگی۔ اور اس پر نظر پڑے گی تو ظاہری بات ہے کہ نفرت پیدا ہوجائے گی۔ اسی لئے یہ آداب بتلائے تاکہ یہ نکاح والا سلسلہ قائم رہے اور معمولی معمولی باتیں جو نفرت پیدا کرسکتی تھیں ان سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

نکاح روح کی پاکیزگی کا ذریعہ:

بہرحال یہ بڑی جامع حدیث ہے اور اس کے ساتھ دو چیزیں ہیں۔ نکاح یا انسان کے

---

[1] عن جابر بن عبداللہ ان النبی ﷺ قال اذا دخلت لیلا فلا تدخل اھلک حتی تستحد المغیبة وتمتشط الشعثة قال قال رسول اللہ ﷺ فعلیک بالکیس الکیس (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۸۹)

دل کو اور روح کو پاکیزہ رکھتی ہے۔ نکاح کے ذریعہ روح کی پاکیزگی کیسے ہوگی؟ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے "یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج" اے نوجوانوں کی جماعت! اگر تم میں نکاح کی طاقت ہو تو ضرور نکاح کرو، اس لئے کہ نکاح تمہاری نگاہوں کو پست کرنے والا اور تمہیں پاکدامنی عطا کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا کہ نکاح کے ذریعے سے واقعتاً انسان کے دل کو سکون ملتا ہے۔ آج یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے عریانیت اور مرد و زن کے اختلاط کو جائز ہی نہیں بلکہ اس کو قابل فخر قرار دیا، آج ان کی زندگیاں ان کے لئے عذاب بن چکی ہیں۔ وہ ممالک جہاں پر میل جول کو جائز قرار دیا، اور آزادانہ طور پر رہنے کی اجازت دیدی۔ آج ان کا چین و سکون زندگی سے اڑ چکا ہے۔ بعض ممالک کے بارے میں سنا کہ وہاں ٧٠-٨٠ % پرسینٹ لوگ ایسے ہیں کہ ان کو پتہ نہیں ہمارا باپ کون ہے؟ اس طرح عریانیت کے نتیجہ میں لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہو گئے ہیں۔ اسلام نے انسان کو حقیقی چین عطا کرنے کے لئے اس نکاح والے سلسلہ کو جاری فرمایا۔

زنا سے چین چھین جاتا ہے:

بہت سارے امراض اور بیماریوں سے اللہ نے نکاح کے ذریعے سے انسان کو نجات دی، جہاں نکاح نہیں ہوتے بدکاری میں لوگ مبتلا ہوتے ہیں وہاں لوگ بہت سارے امراض کا شکار ہوتے ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں "Aids" جیسی بیماری یہ زنا کاری، بدکاری کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس میں یہ خرابی ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کا چین و سکون ختم ہو جاتا ہے، اور انسان depression کا مریض ہو جاتا ہے، آج نوجوانوں، بچوں، اور بچیوں کے اندر بہت زیادہ Depression Tension کا مرض ہے، اب لوگ بیچارے

عاملوں کے پاس جاتے ہیں، اس کو کچھ باہر کا ہو گیا ہے، باہر کا کچھ نہیں ہوا، اب اندر کا تعلق ہوا، اندر دل میں خرابی ہے گندے خیالات ہر وقت رہتے ہیں، کہاں سے اس کو چین ملے گا۔

حضرت مسیح الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ:

حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی فرماتے تھے، خوب گناہ کرلو اگر تمہاری زندگی کو اللہ میاں عذاب نہیں بنادے گا تو پھر دیکھ لینا۔ بدکاری کا گناہ، بدنگاہی کا گناہ، انسان کے چین کو اڑا دیتا ہے انسان ہمیشہ کے لئے پریشان رہتا ہے، نکاح اس لئے ہے تا کہ (لتسکنوا الیہا) بیویوں کے ذریعہ چین سکون حاصل ہو جائے تو حقیقی سکون و طمانیت اسی نکاح والی زندگی میں ہے۔

حیا دل کو پاکیزہ رکھتی ہے:

بہر حال اللہ کے رسول ﷺ نے ایک چیز نکاح بتلائی نگاہوں کو پاک رکھنا دل کی پاکیزگی اسی کے اندر ہے۔ اور حیا بھی اس کے دل کو، اندرون کو پاکیزہ رکھتی ہے۔ اس نے فرمایا اذا لم تستحی فاصنع ما شئت ہے کہ "جب تو بے شرم ہو جائے تو جو چاہے کر"۔ یعنی جب انسان بے شرم ہو جاتا ہے اور حیا اس سے ختم ہو جاتی ہے تو ایسے کام جو انسان کو نہیں کرنے چاہئے وہ کر گزرتا ہے، اگر حیا ہوگی تو بدنامی کے کاموں سے، برائی کے کاموں سے، اپنے آپ کو بچائے گا۔ اور جتنی انسان کے اندر حیا ہوگی، اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا ہی زیادہ مقبول ہوگا۔

---

[1] عن عبد اللہ قال قال لنا رسول ﷺ یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۴۹)

حیا کا سلسلہ جنت سے:

ابھی آپ نے سنا یا کہ حیا کا سلسلہ جنت سے جاری ہے یعنی شروعات ہی حیا کی جنت سے ہوئی ہے۔ مفسرین نے حضرت آدم علیہ السلام و حوا کو پیدا فرمایا اور ان کا نکاح بھی ہوا اور ان کے ساتھ حیا کو بھی پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”لا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظلمين“۔ ”اس درخت کے قریب بھی مت جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے“ ایک خاص درخت کو منع کر دیا گیا، شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ اگر تم اس درخت کو کھا لو تو ہمیشہ کے لئے جنت میں رہو گے، یہ شجرۃ الخلد ہے کھا لو۔ تو آپ دونوں ان کی بات میں آ گئے اور حضرت آدم و حوا نے اس درخت کے دانے کھائے، وہ کھانا ہی تھا کہ بدن سے ان کے کپڑے یعنی جنتی لباس اتر گئے، جیسے ہی جنتی لباس اترا تو ستر ظاہر ہونے لگے کہ دونوں شرم چھپانے لگے۔ ”وطفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة“ اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ وہ شرم و حیا کی وجہ سے جسم چھپا رہے تھے، ان کو حیا آئی۔ ایک دوسرے کا ستر نہیں نظر آ رہا تھا، معلوم ہوا کہ حیا بھی ایک فطری چیز ہے جو انسانیت کے ساتھ اس کو پیدا کیا گیا ایک دوسرے کا ستر نظر آ گیا تو بہت شرمندہ ہو گئے، بھاگنے لگے اور بدن پر پتے لپیٹنے لگے لیکن آخر جنت کے درخت بھی تو نہ ٹھہرے۔ وہ سب درخت کے پاس گئے تو درختوں نے انکار کیا کہ ہم اپنے پتے نہیں دیں گے، انجیر کے درخت کو ان کے حال پر رحم آ گیا اس نے اجازت دی کہ مجھ سے پتے لے لو۔ چنانچہ ان دونوں نے ان پتوں کو لیا اور اپنے بدن پر لپیٹ لیا۔ ”وطفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة“ انجیر کے درخت کے پتے اپنے جسم پر لپیٹ لئے[1]

---

[1] تفسیر المظہری ج ۳ ص ۹۹

انجیر کے درخت میں ایثار کا جذبہ:

انجیر کے درخت میں بڑی خوبیاں ہیں۔ اس میں ایثار و قربانی کا مادہ ہے۔ جتنے بھی دنیا میں پھلدار درخت ہیں، پہلے ان پر پھول آتے ہیں۔ گویا وہ اپنے آپ کو پہلے مزین کرتے ہیں۔ اور ان پھولوں سے پھر پھل آتے ہیں جو دوسروں کے لئے نفع کی چیز ہے۔ لیکن انجیر کے درخت میں عجیب خاصیت ہے کہ پہلے اس پر پھل آتے ہیں جو دوسروں کے نفع کی چیز ہے۔ دوسروں کی فکر پہلے اور اپنی فکر بعد میں کرتا ہے۔ پھل آتے ہیں پھر جب season ختم ہوتا ہے، پھر اس پر پتے آتے ہیں۔ جنت میں اس نے ایثار کیا تو دنیا میں بھی اس درخت میں یہ مادہ رکھا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باحیا ہونا:

بہرحال عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ حیا کا سلسلہ جنت سے چلا ہے اور جتنے بھی اچھے لوگ دنیا میں گزرے ہیں حضرات انبیاء، اولیاء، علماء سب حیا والے تھے۔ حضرت موسیٰ کا واقعہ قرآن پاک نے ذکر کیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے قبطی کا قتل ہوا، پورا واقعہ قرآن نے ذکر کیا۔ وہ مصر چھوڑ کر مدین چلے گئے۔ وہاں نیا علاقہ، کوئی جان پہچان نہیں۔ وہاں دیکھا کہ بہت سارے لوگ اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے ہیں، اور ایک جانب دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو روکی ہوئی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا کیا بات ہے تم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلاتی ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا ہم عورتیں ہیں جب تک وہ پانی نہیں پلا لیتے ہم اس کنویں پر نہیں جا سکتے۔ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں "وابونا شیخ کبیر"۔ حضرت موسیٰ بڑے طاقتور تھے تو ادھر ایک اور کنواں تھا جس کے منہ پر پتھر رکھا ہوا تھا، دس لوگوں سے بھی نہیں ہٹتا تھا۔ اکیلے حضرت موسیٰ نے اس

پتھر کو اٹھا دیا، اس میں سے پانی کھینچ کر ان بکریوں کو پلا یا، یہ دونوں لڑکیاں اپنے والد جو وقت کے نبی تھے حضرت شعیبؑ کے پاس وقت سے پہلے پہونچ گئی تو حضرت شعیبؑ نے پوچھا کہ کیا بات ہے تم بہت جلدی آگئیں ہو تو کہا ایک نوجوان کو اللہ نے ہمارے لئے بھیج دیا تھا، اس نے بڑا پتھر کنویں سے ہٹا دیا، پانی پلا دیا، اور ہم آج سب سے پہلے گھر پہونچ گئیں۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ تم نے اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا، جب کہ اس نے تمہارے ساتھ احسان کیا، اس کے احسان کا بدلہ چکانا چاہئے، جاؤ اس کو بلا لاؤ، چنانچہ ایک لڑکی حضرت موسیٰ کو بلانے کے لئے آئی قرآن پاک میں شرم کا صراحۃ تذکرہ ہے۔ اور کنایۃً بھی تذکرہ کیا "فجاءته احدیٰهما تمشی علی استحیاء" میں صراحت حیاء ہے۔ اس لڑکی نے آکر حضرت موسیٰ سے کہا۔ ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت لنا۔ "میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ بدلہ دیں، آپ کو پانی پلانے کا" آج کی لڑکی کا یہ کہنا کہ چلو اپنے ساتھ ذرا گھومنے جاویں۔ میں تمہیں بلا رہی ہوں message کر رہی ہے phone کر رہی ہے یہ اس کی حیا کے خلاف ہے۔ لڑکی کی حیا بھی ہے وہ کسی کو اپنی طرف دعوت نہ دے۔ حضرت شعیبؑ کی لڑکی نے حیا کا اظہار کیا میں بلانے نہیں آئی ہوں مجھے کچھ کام نہیں میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں، وہ بھی اس لئے کہ آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر احسان کیا اس کا بدلہ چکانے کے لئے، ظاہر بات ہے ایسی بات اگر کوئی لڑکی کہے تو سامنے والا انسان ہوگا تو اس کے دل میں کوئی جذبات پیدا نہیں ہونگے، یہ تو لڑکی بول رہی ہے، میں بلانے نہیں آئی ہوں، میرے والد نے بلایا ہے، ادھر حضرت موسیٰ بھی نبی ہونے والے ہیں، ان میں بھی حیا کا مادہ ہے، وہ چلتی گئی تو حضرت موسیٰ نے روک دیا کہ تم میرے پیچھے چلو، میں آگے چلوں گا، میری نظر تم پر نہیں پڑنی چاہئے، اگر راستہ میں غلط مڑ جاؤں تو پتھر مار کے اشارہ کر دینا کہ یہ غلط راستہ ہے تو میں سمجھ جاؤں گا، مطلب یہ ہے کہ حیا کا سلسلہ بھی جنت سے چلا، اور

ہماری مقدس ہستیوں میں یہ حیا والا سلسلہ چلا۔

سب سے اچھی لڑکی وہ ہے جس میں حیا ہو:

آج میرے بھائیو! دنیا سے حیا ختم ہوگئی ہے، آج ہمارا معاشرہ خراب ہوگیا ہے، ہماری عزتیں ختم ہورہی ہیں، ہمارے معاشرے کے اندر بے شمار خرابیاں پیدا ہوگئیں، جناب رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں، پوچھا کہ بتلاؤ کہ سب سے اچھی لڑکی کونسی ہے؟ سب خاموش رہے، حضرت علیؓ اٹھے اور حضرت فاطمہؓ سے جو حضور کی حقیقی بیٹی ہے، ان سے جا کر پوچھا تو جواب دیا سب سے اچھی عورت وہ ہے جو کسی اجنبی مرد کو نہ دیکھے، اور نہ کوئی اجنبی مرد اس کو دیکھے۔ حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ کا یہ جواب سنایا تو حضور ﷺ نے فرمایا ہاں آخر وہ کس کی بیٹی ہے[1] ؟ یعنی وہ میری بیٹی ہے اس کا جواب تو ایسا ہی ہونا چاہئے، سب سے زیادہ حیا والے انسان تو اللہ کے رسول ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت فاطمہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد فقط چھ ماہ زندہ رہی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بہت زیادہ غم طاری تھا اور چھ ماہ تک کبھی مسکرائی نہیں۔

ایک لطیفہ:

ہمارے مدرسے میں ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے "کافیہ" ایک مولوی صاحب پڑھاتے تھے وہ بڑی مشکل سمجھی جاتی ہے، اس کے مطالعہ میں بہت وقت صرف کرتے تھے بیوی کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے تھے۔ ان کی بیوی کا نام شافیہ تھا تو پھر غصہ میں کہا یا تو اب شافیہ رہے گی یا کافیہ رہے گی۔

---

[1] وعن علی انہ کان عند رسول اللہ ﷺ فقال أی شئی خیر النساء فقالت لا یراھن الرجال فذکر ت ذلک للنبی ﷺ فقال انما فاطمۃ بضعۃ منی۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۲

کافیہ کا ایک شعر:

بہرحال اس کے اندر شارحین نے کتاب کی شرح کرتے ہوئے ایک شعر لکھا ہے حضرت فاطمہؓ کی طرف منسوب ہے،ایک نحو کا مسئلہ ہے،غیر منصرف جو کلمہ ہوتا ہے اس پر تنوین نہیں پڑھی جاتی،کبھی ضرورت شعری کی بناء پر تنوین پڑھ سکتے ہیں اس مقصد کے لئے وہ شعر پیش کیا ہے کہ دیکھو عرب میں اس پر تنوین پڑھ سکتے ہیں شعر کی ضرورت کے لئے،وہ شعر یہ ہے

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِب لو أنہا   صبت علی الأیام صرن لَیالِیا

(مجھ پر میرے والد کی وفات کی وجہ سے غموں کے ایسے پہاڑ ٹوٹ پڑے کہ اگر ان پہاڑوں کو ان روشن دنوں پر رکھ دیئے جائیں تو روشن دن اندھیرے میں تبدیل ہو جائیں،اتنا زیادہ غم تھا یہاں پر"مصائب"پڑھنا چاہیے لیکن شعر کی ضرورت کے لئے مصائبٌ پڑھ سکتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کی وصیت:

بہرحال حضرت فاطمہؓ نے وصیت کی کہ میرا اگر انتقال ہو جائے تو میرا جنازہ رات میں اٹھایا جاوے،تاکہ میری نعش پر بھی مرد کی نظر نہ پڑے،اللہ ہماری بچیوں میں بھی اور ہماری ماؤں بہنیوں میں بھی حضرت فاطمہؓ جیسی حیا پیدا فرمادے۔

ہمارے معاشرے کا حال:

میرے بھائیو!آج حیاء اور پردہ کی ضرورت ہے۔اور بچپن ہی سے اس کا اہتمام ہونا چاہیے تاکہ دلوں کے اندر حیا اور پردہ کی عظمت ومحبت ہو۔آج یہ موبائل کے ذریعہ سے آنے والی لعنت اور انٹرنیٹ کے ذریعہ سے آنے والی لعنت نے پورے معاشرہ کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا

ہے۔ چھوٹے بچے جن کو شعور نہیں ہوتا ہے، وہ دو باتیں جانتے ہیں جو بڑے لوگوں کے کام کی ہوتی ہے، لیکن ہمارے ماں باپ اس پر باقاعدہ فخر کرتے ہیں کہ ہمارا بچہ فلاں اس طرح کرتا ہے کہ ہمیں بھی اس میں سمجھ نہیں پڑتی، جب ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو اب تعویذ کے لئے دوڑتے ہیں اس کو کچھ ہو گیا تعویذ پہنا دو۔

نکاح ایک عبادت ہے:

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ۴ چیزیں بیان کی ہیں۔ دو چیزوں سے پورے بدن کی ظاہری پاکی ہو جاتی ہے، اور نکاح وحیا سے دلوں کی صفائی ہو جاتی ہے۔ الحمد للہ آج ہمارے نوجوان بھائی کا نکاح ہوا، نکاح جو ہے ہر انسان کی ایک ضرورت ہے، نکاح ایک عبادت ہے، نکاح سنت بھی ہے، انسان جب کسی بھی کام کو اچھے طریقے سے انجام دیتا ہے تو اس میں عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی آدمی کھانا کھاتا ہے تاکہ خوب طاقت آجاوے، اور اس طاقت کے ذریعے سے میں اللہ کی خوب عبادت کروں تو یہ کھانا بھی عبادت بن جاتا ہے۔

نکاح میں تین نیتیں کریں:

نکاح تو ضرورت ہے لیکن تین اہم نیتیں کرنی چاہئے تاکہ یہ نکاح عبادت بن جائے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے النکاح من سنتی "نکاح میری سنت ہے" تو نیت زوجین کو بھی کرنی چاہئے، کہ ہم نکاح سنت ادا کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ بے ضرورت کی چیز، نیت سنت کی کرنے سے سنت کا اہتمام کرنے والا ہو جائیگا۔ خود حضور ﷺ فرماتے ہیں، واتزوج النساء "میں خود بھی نکاح کرتا ہوں" فمن رغب عن سنتی فلیس منی[1] جو شخص میری سنت

---

[1] عن انس بن مالک یقول جاء ثلاثۃ رھط الی بیوت ازواج النبی ﷺ ... باقی اگلے صفحہ پر ...

اسلام کے اندر رہبانیت نہیں۔ ہمارے یہاں نکاح ہوا نہیں، منگنی ہوئی نہیں، مشغولیت شروع ہو جاتی ہے جہاں منگنی ہوئی رشتہ طے ہوا۔ دونوں فری (free) ہو جاتے ہیں گویا کہ نکاح ہو گیا گھومنا پھرنا سب کچھ۔ یہ سب حرام ہے، اور وہاں عبداللہ کا نکاح ہوا وہ عبادت میں اتنے مشغول کہ ان کی توجہ ہی نہیں اپنی بیوی کی طرف، بہرحال رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ میری سنت ہے، اس سے جو اعراض کرے گا وہ میرے طریق سے نہیں، نیت سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

دوسری نیت:

دوسری نیت یہ کریں کہ نکاح میں اس لئے کر رہا ہوں کہ میں اپنی نگاہوں کی حفاظت کرونگا، پاکدامنی کی زندگی گزاروں گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے یا معشر الشباب " اے نوجوانوں کی جماعت تم میں اگر نکاح کی طاقت ہو تو کر لو" فانہ اغض للبصر واحصن للفرج[1] اس لئے کہ یہ نکاح تمہاری نگاہ کو پست کرنے والا اور عفت و پاکدامنی عطا کرنے والا ہے" یہ دو نیتیں ہونی چاہئے، نگاہ کو پست بھی کروں گا، اور عفت و پاکدامنی کی زندگی بھی گزاروں گا۔

تیسری نیت:

اور تیسری نیت نکاح کے ذریعے سے جو اولاد حاصل ہوگی، اولاد صالح تو ہمارے آقا ﷺ کو اس کے ذریعے سے حشر کے میدان میں دیگر امتوں پر فخر کا موقع ملے گا خوشی کا موقع ملے گا۔ حدیث میں ہے تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم[2] "تم ایسی عورت سے شادی

---

[1] صحیح مسلم شریف، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح، ج ۱ ص ۴۴۹، صحیح بخاری شریف، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ۔ ج ۲ ص ۷۵۸۔

[2] عن معقل بن یسار قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال انی اصبت امرأۃ ذات جمال وحسب وانھا لا تلد افاتزوجھا قال لا ثم اتاہ الثانیۃ فنھاہ ثم اتاہ الثالثۃ فقال تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم (ابوداؤد کتاب النکاح ص ۲۸۰)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان:

بہر حال یہ چند باتیں اس وقت عرض کی گئیں، نکاح کے موقع پر عموماً یہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ ۔۔۔۔۔ تقوی کی تین آیتیں، میاں بیوی دونوں نئی زندگی گزار رہے ہیں، نوشہ فارسی زبان کا لفظ ہے، نوشہ اس لئے کہتے ہیں کہ اب یہ نیا بادشاہ بن گیا نوشہ یعنی نیا "بادشاہ" اب چھوٹی سی حکومت مل گئی تو اس کے ساتھ عدل وانصاف کا اہتمام کرے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے ان افراد کی تعریف کی کہ بعض لوگ ہوتے ہیں جو باہر اخلاق بتاتے ہیں، لوگوں میں واہ، واہ ہوگی، کہ کتنا اخلاق مند آدمی ہے، ہر ایک کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، لیکن جب گھر جاتا ہے تو بیوی بھی ڈرتی ہے، اور کہتی ہے کہ باہر جاوے تو اچھا، اللہ کے رسول ﷺ نے یہ باہر کے اخلاق کی تعریف نہیں کی۔ بلکہ فرمایا "خیر کم خیر کم لأھلہ [1] بہترین انسان وہ ہے کہ جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو، اور میں بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کی تو متعدد بیویاں تھیں لیکن ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق سے رہتے تھے۔

آپ ﷺ کا اپنے اہل وعیال کے ساتھ معاملہ:

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے نہ کسی خادم کو مارا اور نہ کسی بیوی کو [2] ابوداؤد شریف کی روایت ہے، اور ابوداؤد شریف ہی میں عجیب واقعہ لکھا ہے ایک مرتبہ حضرت

---

[1] عن عائشۃ ؓ قالت قال رسول ﷺ خیر کم خیر کم لأھلہ وانا خیر کم لأھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۸)

[2] وما ضرب امرأۃ ولا خادما۔ (عمدۃ اللبیب شرح شیم الحبیب۔ ص ۱۴۴)

صفیہؓ جو حضور ﷺ کی بیوی ہے آپ حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف فرما ہیں حضرت
صفیہؓ نے شوربہ یا کھانا، مٹی کے برتن سے پیالے کے اندر کھانے کی چیز بھیجی حضرت عائشہؓ کو غیرت
آگئی میرے گھر میں ہوتے ہوئے حضور کو یہاں کھانا بھیجنے کی کیا ضرورت ہوئی کہ اندر یہ چیز
ہوتی ہے حضرت عائشہؓ نے غصہ میں آ کر پیالہ اٹھا کر توڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ڈانٹا نہیں بلکہ
خادم سے کہا تمہاری ماں کو غیرت آئی[1] شارحین فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ کو کچھ نہیں کہا بلکہ
خادم سے کہا تمہاری ماں کو غیرت آگئی حضرت عائشہؓ شرمندہ ہوگئیں تھوڑی دیر کے بعد خود حضرت
عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ یہ پیالہ میں نے توڑ دیا ہے کیا اس کا تاوان مجھے دینا پڑے گا؟ ہاں
البتہ اس کا تاوان دینا پڑے گا، پیالہ کے بدلے پیالہ دینا پڑے گا۔ غور کیجئے کہ اللہ کے رسول
اگر غصہ ہوتے تو حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ چیز نہ آتی بلکہ اور جھگڑا ہوتا لیکن حضور
ﷺ نے سکوت اختیار کیا اس اخلاق کی بنا پر حضرت عائشہؓ کے دل میں تدارک کا خیال پیدا ہوا تو
اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کے شاہکار ہیں۔

جس شخص میں تین عادتیں ہوں گی وہ جنت میں داخل ہوگا:

بہرحال حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ثلاث من کن فیہ نشر اللہ کنفہ ادخلہ اللہ

---

[1] عن انس ان رسول اللہ ﷺ کان عند بعض نسائہ فارسلت احدی امہات المؤمنین مع خادم بقصعۃ فیہا طعام قال فضربت بیدہا فکسرت القصعۃ قال ابن المثنی فاخذ النبی ﷺ الکسرتین فضم احداہما الی الاخری فجعل یجمع فیہا الطعام ویقول غارت امکم زاد ابن المثنی کلوا فاکلوا حتی جاءت قصعتہا التی فی بیتہا ثم رجعنا الی لفظ حدیث مسدد قال کلوا وحبس الرسول والقصعۃ حتی فرغوا فدفع القصعۃ الصحیحۃ الی الرسول وحبس المکسورۃ فی بیتہ (ابوداؤد کتاب البیوع باب فیمن افسد شیئا یغرم مثلہ ص ۵۰۲)

ہوں کوا ہے، وہ باپ بیچارہ اندر گھر میں گئے، اور ایک ڈائری انہوں نے نکالی، اور فلاں سن فلاں تاریخ، فلاں وقت بھی لکھا تھا، بیٹا تو چھوٹا سا بچہ تھا اور اسی دیوار پر ایک کوا بیٹھا تھا، اپنے بچپن کی حالت میں تو نے مجھ سے پوچھا ابا جان یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کوا ہے، دوبارہ پوچھا کہ یہ کیا ہے تو میری شفقت اور بڑھی کہ بیٹا یہ تو کوا ہے، میں نے اس میں لکھا ہے تو نے ۲۰ مرتبہ پوچھا، اور میری شفقت بھری آواز ۲۰ مرتبہ نکلتی رہی کہ بیٹا یہ تو کوا ہے، میں اس وقت ۲۰ ویں مرتبہ بھی تجھ پر غصہ نہیں ہوا، اور تو تیسری دفعہ میں مجھ پر غصہ ہو گیا، ماں باپ کا بھی حق ہے، ایسا نہیں کہ نکاح ہو گیا تو ماں باپ کو ایک طرف جانے دے، اور بیوی کے ساتھ رہے، اور یہ بھی نہیں کہ ماں باپ کی سنے اور بیوی کی نہ سنے، دونوں کے حقوق کا خیال رکھے، اسی لئے آیت تقویٰ پڑھی جاتی ہے، بیوی کے حق میں بھی ڈرو، اور ماں باپ کے حق میں بھی ڈرو، بہر حال اللہ کے رسول ﷺ نے تعریف کس کی فرمائی؟ خیر کم خیر کم لأهله۔ قرآن پاک میں اللہ اپنی بندیوں کے بارے میں اپنے بندوں سے کہہ رہے ہیں عاشروهن بالمعروف۔ "بندیوں سے اچھا سلوک کرو۔" دنیا میں کوئی بڑا انسان کہتا ہے کہ یہ ہمارا آدمی ہے خیال رکھنا تو کتنا خیال رکھتا ہے، یہاں تو اللہ تعالیٰ اپنی بندیوں کے بارے میں بندوں سے کہہ رہے ہیں "عاشروهن بالمعروف" اب اللہ کے حکم کو کس طرح ماننا چاہئے، آج کے معاشرہ میں مستورات اور بیویوں پر بہت زیادہ ظلم و ستم ہونے لگے ہیں، انسان ہر وقت یہ خیال رکھے جو ظلم و ستم ہوا ہے اس کا بدلہ اللہ کے یہاں دینا ہے۔

شوہر کے حقوق:

بیویوں کو بھی چاہئے کہ شوہر کا پورا خیال رکھے، اللہ کے رسول نے فرمایا! "اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو میں بیویوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کے سامنے سجدہ

کریں[1] کتنا بڑا مقام ہے سجدہ کی اجازت اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں، اگر اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ شوہروں کے سامنے سجدہ کرے، لیکن اس کی اجازت نہیں۔ فرمایا جو بیوی اس طرح رات گزارے کہ اس کا شوہر ناراض ہو، اللہ کی لعنت اس پر برستی ہے[2] کتنی عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے شوہروں کو ستاتی ہیں اور اللہ کی لعنت کی مستحق ہو جاتی ہیں۔ اچھا ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ شوہروں کے سامنے سجدہ کرے، ورنہ یہ ظالم سورج نکلنے کے بعد ۱۰ بجے نیند سے اٹھتا، اور اس کو سب سے پہلے کہتا سب کام چھوڑ، پہلے میرے سامنے سجدہ کر پہلے سے ظلم کرتا ہی ہے، اور ایک ظلم یہ کرتا کہ سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی بیچاری کہتی اللہ کو سجدہ نہیں کرتی تجھے کہاں سے کروں۔ بہر حال سب اللہ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، یہ چند باتیں نکاح کے متعلق عرض کیں۔ اللہ تعالیٰ زوجین میں محبت، مودت نصیب فرمائے۔ عفت و پاکدامنی کا ذریعہ بنائے، اولادِ صالحہ کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنائے، اور اس نکاح کو بے انتہا قبول فرمائے، اور خوشگوار زندگی نصیب فرمائے، اور ازدواجی زندگی کی حقیقی مسرتوں سے مالامال فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

[1] عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال لو کنت امر احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا (ترمذی شریف، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ ج ۱ ص ۲۱۹)

[2] عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا دعا الرجل امرأتہ الی فراشہ فابت فبات غضبان لعنتھا الملائکۃ حتی تصبح (بخاری ج ۱ ص ۴۵۹)
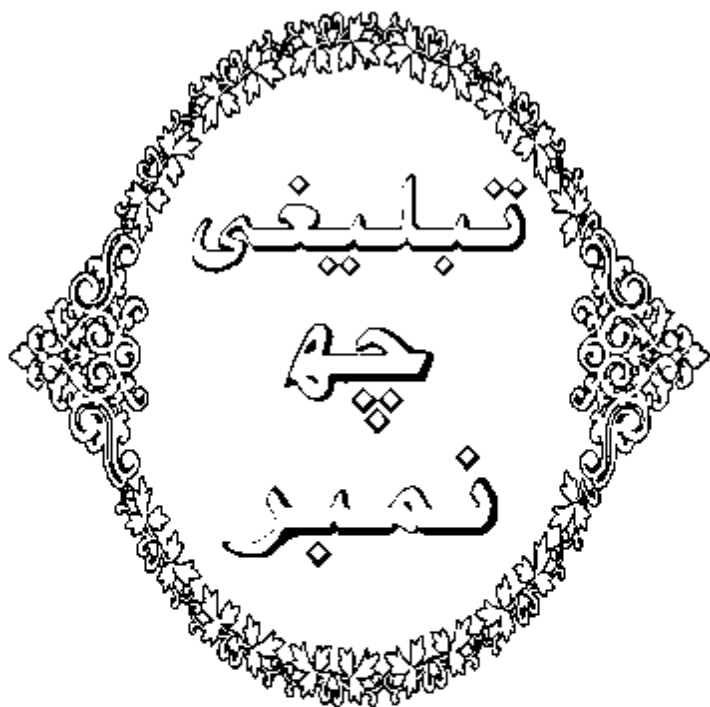
حضرت مفتی کلیم صاحب دامت برکاتہم کا یہ بیان

مقام مرکز مسجد۔ سورت بروز جمعرات، بعد نماز

مغرب۔ ۲۳/ فروری ۲۰۱۲ء

دو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معمول:

حضرات صحابہؓ میں دو صحابیؓ ایسے تھے کہ جب وہ آپس میں ملتے تھے تو ان کا یہ سبق تھا کہ ہم جب کبھی آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کو یہ سورت سنا دیا کریں[1] انھوں نے یہ وظیفہ بنا لیا تھا کہ جب ملاقات ہوتی، کسی موقع پر تو یہ ایک صحابیؓ سبقت کرتے اور وہ سورۂ عصر پڑھ کر سناتے، کبھی دوسرے موقع پر دوسرے سبقت کرتے اور وہ اس سورت کو پڑھ کر سناتے، گویا اس سورت کے ذریعے وہ اپنے ایمان کو تازہ کرتے تھے۔[2]

سورۃ العصر میں کامیابی کے چار نسخے بتلائے گئے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری انسانیت کی کامیابی اور فلاح وبہبودی کے چار اہم نسخے بتلائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قسم ہے زمانے کی، قسم ہے وقت کی، زمانے میں گزرنے والے لمحات کی کہ سارے انسان نقصان اور خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں، مگر اس نقصان اور خسارہ سے وہ لوگ بچے ہوئے ہیں، جن کی زندگیوں میں یہ چار کام ہیں، چار چیزیں ہیں، چار نسخے ہیں۔

پہلی چیز الا الذین اٰمنوا "ایمان"۔

وعملوا الصّٰلحٰت دوسرے نمبر پر اعمالِ صالحہ۔

وتواصوا بالحق۔ تیسرے نمبر پر حق اور صحیح باتوں کی تبلیغ۔

---

[1] معارف القرآن ج ۸ ص ۳۳ ۷، مولانا ادریس کاندھلوی۔

[2] معارف القرآن ج ۸ ص ۸۱۱، بحوالہ الطبرانی عن عبداللہ بن حصن۔ فرید بک ڈپو، مفتی شفیع صاحب

چوتھے نمبر پر وتواصوا بالصبر، حق کی باتیں بتلانے میں جو مصائب و رکاوٹیں
آئیں ان پر صبر۔ یہ دو مطلب ہے کہ حق کی باتیں پہنچانا یہ ایک اہم پہلو ہے اور صبر کے معنی اپنے
آپ پر جو کرنا اور دوسروں کو بھی بتانا۔ حق بھلائیاں اور برائیوں سے خود بچنا اور دوسروں کو بچانا
ایمان، اعمال صالحہ، ایمان اور اعمال صالحہ کی تبلیغ و تلقین اور برائیوں سے دوسروں کو روکنے کا فریضہ
انجام دینا۔ یہ چار چیزیں جن کی زندگیوں میں ہوں گے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے بارے میں
فرمایا کہ یہ خسارے سے بچے ہوئے ہیں ورنہ ساری انسانیت خسارے اور نقصان میں ہے۔

حدیث جبرئیل اور اس کی تشریح:

بخاری شریف میں اور مسلم شریف میں ایک طویل حدیث ذکر کی گئی ہے جس کا نام
ہے حدیث جبرئیل کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبرئیل آتے ہیں حضرت
عمر ابن خطابؓ اس روایت کے راوی ہیں حضرت ابوہریرہؓ بھی راوی ہیں: قال بینما نحن عند
رسول ﷺ ذات یوم اذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب
شدید سواد الشعر لا یری علیه اثر السفر ولا یعرفه منا احد حتی جلس الی النبی
ﷺ فاسند رکبتیه الی رکبتیه ووضع کفیه علی فخذیه وقال یا محمد اخبرنی
عن الاسلام قال الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وتقیم
الصلوٰة وتؤتی الزکوٰة وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیه سبیلا قال
صدقت فعجبنا له یسأله ویصدقه قال فاخبرنی عن الایمان قال ان تؤمن بالله

لـه اخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب التفسیر سورة لقمان باب ان الله عنده علم الساعة
رقم ٤٧٧٧ و مسلم فی صحیحه کتاب الایمان ج ١ ص ٢٩

وملئکته وکتبه ورسله والیوم الاٰخر وتؤمن بالقدر خیره وشره قال صدقت قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللّٰه کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک قال فاخبرنی عن الساعة قال ماالمسئول عنها باعلم من السائل قال فاخبرنی عن امارتها قال ان تلد الامة ربتها وان تری الحفاة العراة العالة رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان قال ثم انطلق فلبثت ملیا ثم قال لی یا عمر اتدری من السائل؟ قلت اللّٰه ورسوله اعلم قال فانه جبرئیل اتاکم یعلمکم دینکم رواه مسلم ورواه ابوھریرة مع اختلاف وفیه واذا رایت الحفاة العراة الصم البکم ملوک الارض فی خمس لا یعلمهن الا اللّٰه ثم قرأ ان اللّٰه عنده علم الساعة وینزل الغیث الاٰیة۔ متفق علیه۔

یہ طویل حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہیں کہ اچانک ایک شخص آیا نہایت ہی کالے بال والا نہایت ہی سفید کپڑے پہنے ہوئے، بظاہر مدینہ کا ہی کوئی جانا پہچانا ہے لیکن فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا نہیں تھا تو کوئی مسافر ہوگا فرمایا سفر کے کوئی نشانات اس پر نہیں تھے کیونکہ بال بھی غبار آلود نہیں تھے اور نہ کپڑے میلے کچیلے عجیب وغریب آدمی ہے نہ جانا پہچانا معلوم ہو رہا ہے اور نہ مسافر ہے اور آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کو چیرتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آگیا۔ "فاسند رکبتیه الی رکبتیه" اتنا قریب ہو گیا کہ اپنے گھٹنوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا دیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ "ووضع کفیه علی فخذیه" شارحین نے دونوں ترجمے کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی ران پر رکھا گویا ادب کے طور پر، یا یہ کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر رکھ دیا گویا کہ وہ بہت محتاج ہے جو گھٹنے پکڑ کر کچھ سوالات کرنا

چوچھتا ہے۔

حضرت جبرئیلؑ[1] کا اسلام کے متعلق سوال اور آپ ﷺ کا جواب:

اور سوال کیا "اخبرنی یا محمد" اے محمد! مجھے خبر دیجئے کہ "اسلام کیا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ زبان سے اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا روزے رکھنا، اور حج کرنا اگر اس کی طاقت ہو انہوں نے یہ سوال کیا، اور حضور ﷺ نے جواب دیا ہے۔ اب سوال جو آدمی کرتا ہے تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کو مسئلہ معلوم نہیں ہے لیکن جب حضور ﷺ نے جواب دے دیا تو اس پر وہ سائل کہتا ہے "صدقت" کہ آپ نے صحیح جواب دیا۔ عجیب بات ہے کہ سوال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانتا نہیں ہے، کہ اسلام کیا ہے لیکن حضور ﷺ نے جواب دیا تو کہا کہ آپ کا جواب بالکل صحیح اور (perfect) ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کو جواب پہلے سے معلوم تھا تو سوال پھر کیوں کیا؟ پورا واقعہ عجیب و غریب باتوں سے بھرا ہوا ہے، اس لئے حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ، فعجبنا له

---

[1] حضرت جبرئیل کا اصلی نام عبداللہ ہے۔ امام سہیلی نے فرمایا ہے کہ جبرئیل سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عبدالرحمن یا عبدالعزیز کے ہیں جیسا کہ ایک روایت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے زیادہ صحیح روایت موقوف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل کا نام عبدالجلیل اور کنیت ابوالفتوح ہے عمدۃ القاری اور صاحب اتقان فرماتے ہیں کہ قیامت میں سب سے پہلے حساب حضرت جبرئیل سے ہوگا (اتقان ج ۱ ص ۱۹۰ عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۰) صاحب خیر الباری فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل حضرت آدمؑ کی خدمت میں بارہ مرتبہ اور حضرت ادریسؑ کی خدمت میں چار مرتبہ اور نوحؑ کی خدمت میں پچاس مرتبہ حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں بیالیس مرتبہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں دس مرتبہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں چار مرتبہ اور حضور ﷺ کی خدمت میں چوبیس ہزار مرتبہ (خیر الباری ج ۲ ص ۲۶۷)

ہوکہ ہم تعجب کرنے لگے اس شخص پر کہ سوال بھی کرتا ہے،اور جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

بھائیو! کوئی شخص مفتی صاحب کے پاس آئے،اور مسئلہ پوچھے،اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو مسئلہ معلوم نہیں،اور جب مفتی صاحب جواب دے دے تو کہے کہ ہاں! آپ کا جواب صحیح ہے۔تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کو معلوم ہے سوال کا انداز یہ ہے کہ ان کو معلوم نہیں ہے۔اور جواب کے بعد کہتا ہے کہ آپ کا جواب صحیح ہے،بڑی تعجب والی بات ہے،اس طرح نہ مسئلہ معلوم ہو رہا ہے اور نہ جانا پہچانا۔

ایمان کے متعلق سوال:

پھر پوچھا کہ اے محمد! خبر دیجئے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کو دل سے مان لے "ان تؤمن باللّٰہ" کہ اللہ پر ایمان لاتا۔

ایمان کی تعریف میں آپ ﷺ نے چھ اجزاء بتلائے:"ان تؤمن باللّٰہ" دل سے اللہ کا یقین۔ایمان باللہ میں چند چیزیں ہیں: انسان اس بات کا یقین رکھے اور سو فیصد رکھے،کہ میرا،اس دنیا کا،کائنات کا،اور ہر چھوٹی بڑی چیز کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے،اور وہ اللہ موجود ہے،وجود باری تعالیٰ کا یقین کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے،اور اس کی ذات موجود ہے۔

وجود باری پر قرآن میں بے شمار دلائل ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود پر بے شمار دلائل بیان کئے ہے،قرآن میں فرمایا "وفی انفسکم افلا تبصرون" کہ اپنی ذات میں غور کرو تو انسان کو اللہ کے وجود کا یقین ہو جائیگا

، آفاق میں غور کرو اللہ کے وجود کا یقین ہو جائیگا ''افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت '' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اونٹ کو کیسے پیدا کیا'' والی السماء کیف رفعت '' آسمان کو دیکھو کہاں سے شروع ہوا اور کہاں ختم ہوا، اور کہاں اس کا ستون ہے۔ کوئی بتا سکتا ہے؟ کبھی کرتا نہیں ہے، کبھی اونچا نیچا نہیں ہوتا ہے۔ کبھی اس میں شگاف نہیں ہوتا، کیوں غور نہیں کرتے ہو '' والی الارض کیف سطحت '' زمین پر غور کرو اللہ نے زمین کیسے بچھائی کہاں اس کا سرا ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے؟ کتنی گلیاں ہیں، کتنے شہر ہیں؟ کتنے گاؤں ہیں؟ کوئی نہیں بتا سکتا تو یہ زمین پر غور کرو کہ کس نے بنائی ہے۔ اللہ نے بنایا ہے، یہ سب نشانیاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے تاکہ اس کے وجود کو انسان تسلیم کرے، اور اپنی ذات میں غور کرے۔

انسان کی پیدائش کی حقیقت:

فرمایا کہ ہم نے تم کو ایک مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ مٹی کا خلاصہ یعنی انسان کھیتی کے اندر دانہ ڈالتا ہے، پیداوار آتی ہیں، انسان اپنی غذا فراہم کرتا ہے خون بنتا ہے، پھر خون سے نطفہ بنتا ہے اور نطفہ سے پھر انسان کی پیدائش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کہاں سے کہاں؟ کہ مٹی کے اجزا سے پیداوار ہوئی پھر انسان کے پیٹ میں گئی، پھر خون بنا، نطفہ بنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نطفہ پر غور کرو! کہ پھر ہم نے چالیس دن کے بعد گوشت کا لوتھڑا بنایا، پہلے وہ نطفہ تھا، پھر دم بستہ بنا یعنی جما ہوا خون، پھر اس کے بعد ہم نے لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے اسے ایک شکل دے کر گوشت چڑھایا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ '' مخلقۃ و غیر مخلقۃ '' یعنی ہم چاہتے ہیں اس کو دنیا میں زندہ بھیجتے ہیں اور چاہتے ہیں تو اس کو ساقط کر دیتے ہیں۔ روایت میں ہے کہ جب بچہ مکمل ہو جاتا ہے تو فرشتہ اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے '' مخلقۃ او غیر مخلقۃ '' اے اللہ '' مخلقہ '' یعنی

اس کو نقش و نگار کے ساتھ زندہ بھیجتا ہے اللہ کی اجازت ہوتی ہے تو وہ دنیا میں آتا ہے، اور اللہ کہتا ہے "غیر مخلقه" تو وہیں مرا ہوا ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ سب صورتیں کیوں بتلائی گئیں، تا کہ اللہ کی قدرت کو انسان تسلیم کرے۔

ایک اعرابی کا توحید کو ثابت کرنا:

ایک اعرابی (دیہات کے رہنے والے) نے کہا دیہاتی ہے لیکن اللہ کے وجود اور توحید کا کیسا یقین ہے، اس سے پوچھا گیا کہ تو اللہ کے وجود کو کیسے مانتا ہے، اللہ کے وجود کو کیسے تسلیم کرتا ہے، اس نے کہا اللہ کے وجود کو کیسے تسلیم نہ کروں، اس دیہاتی نے جواب دیا کہ اونٹ جب اپنے راستہ سے چلتا ہے تو مینگنیاں ڈال کر جاتا ہے، تو دیکھنے والے کیا سمجھتے ہیں؟ کہ اس راستے سے اونٹ گذرا ہے اور اگر کوئی انسان جاتا ہے تو اس کے نشانات قدم زمین پر ہوتے ہیں، سمجھتا ہے کوئی انسان یہاں سے گزرا ہے، یقین کر لیتا ہے انسان کو تو دیکھا نہیں لیکن یقین آ گیا نشانات قدم سے، کہ انسان گذرا ہے، مینگنیاں دیکھ کر انسان کہتا ہے کہ یہاں سے کوئی اونٹ اور جانور گذرا ہے تو یہ بڑے بڑے برجوں والا آسمان اور موجیں مارتے ہوئے سمندر اور یہ مختلف گلیوں والی زمین اس لطیف اور خبیر ذات پر کیوں نہیں پتہ نہیں دیتی۔

البعر فتدل على البعير

واثار القدم تدل على المسير

فالسماء ذات ابراج

والارض ذات فجاج

كيف لا تدل على اللطيف الخبير

فجر میں جو دو سنت ہیں یہ دونوں سورتیں پڑھنی چاہئے علماء نے اس میں مصلحت لکھی ہے کیا مصلحت ہے؟ کہ جیسی انسان کا آخری عمل جو رات کا ہوتا ہے وہ وتر ہوتا ہے ہم لوگ رات میں آخری جو نماز پڑھتے ہیں وہ وتر کی نماز پڑھتے ہیں گو کہ اس کے بعد دو رکعت سنت نفل پڑھتے ہیں لیکن آخری عمل جو واجبات میں سے ہے واجب عبادت کا جو آخری عمل ہوتا ہے وہ وتر ہوتا ہے تو اللہ کے رسول ﷺ وتر کے اندر یہ تینوں سورتیں پڑھتے تھے[1] ان میں آخری سورت سورہ اخلاص "قل ھو اللہ احد" اور دن میں بھی جب ابتداء ہوتی تو پہلا عمل آپ کا دو رکعت سنت اور اس کے اندر آخری سورت "قل ھو اللہ احد" ہے۔ تو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ رات کا آخری عمل وہ وتر ہے وتر جس کے اندر کوئی کٹرے نہیں ہو سکتے۔

وتر کی نماز میں توحید کی طرف اشارہ ہے:

"ان اللہ وتر یحب الوتر"[2] اللہ بھی تنہا ہے اور وہ وتر کو پسند کرتا ہے۔ تو بتلانا یہ ہے کہ تین رکعت ہم نے پڑھی آخری رکعت ایک ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کی ذات میں عبادت میں صفات میں کوئی شریک نہیں، اور زبان سے بھی جو کلمہ نکل رہا ہے "قل ھو اللہ احد" اللہ ایک ہے تنہا ہے اس لئے ہمارا رات کا آخری عمل وتر کا رکھا گیا اور اس میں سورت بھی مستحب ہے کہ "قل

---

[1] عن عبد اللہ بن مسعود قال کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی الوتر فی الرکعۃ الاولی "سبح اسم ربک الاعلی" وفی الثانیۃ "بقل یا ایھا الکافرون" وفی الثالثۃ "بقل ھو اللہ احد"۔ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۴۳ دار الکتاب بیروت لبنان ۔۔۔۔۔۔ عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربک الاعلی وقل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد فی رکعۃ رکعۃ۔ ترمذی شریف ابواب الوتر۔ باب ماجاء مایقرأ فی الوتر ج ۱ ص ۱۰۶)

[2] عن علی قال الوتر لیس بحتم کصلاتکم المکتوبۃ ولکن سن رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ وتر یحب الوتر فاوتروا یا اھل القرآن ترمذی شریف۔ باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم ج ۱ ص ۱۰۳

ھو اللہ احد" پڑھے تا کہ رات میں اگر موت واقع ہو جائے تو ہماری موت توحید کے عمل اور توحید کے قول پر ہو جائے تو ابتداء بھی صبح کی ہماری توحید والے قول سے ہو تا کہ دن میں بھی انتقال ہو جائے تو توحید پر موت واقع ہو جائے تو بہر حال اللہ کے وجود کو تسلیم کرنا یہ بھی ماننا کہ اللہ موجود تو ہے اور اس کی ذات میں صفات میں کسی چیز میں کوئی شریک نہیں ہے۔

کفار مکہ کا اللہ کے وجود کو تسلیم کرنا:

دیکھو! کفار مکہ اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے تھے منکر نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جگہ جگہ ان کی اس بات کا تذکرہ کیا ہے پھر کیوں وہ مردود ہوئے اللہ کے دربار سے؟ اس لئے کہ وہ اللہ کے وجود کو مانتے تھے لیکن توحید کے قائل نہیں تھے شرک میں مبتلا تھے ۔

کفار کا عقیدہ:

قرآن میں جگہ جگہ ان سے پوچھا گیا" ولئن سالتہم من خلق السمٰوٰت والارض ، الخ" (سورۃ العنکبوت آیت ۶۱) اے! محمد ﷺ ان سے آپ پوچھئے آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ دوسری جگہ ان سے پوچھا گیا کہ تمہارا اور زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے اللہ۔ دریا میں سفر کرتے طغیانی آ جاتی ڈوبنے کا اور غرق ہونے کا اندیشہ ہوتا تو اللہ سے دعاء کرتے اے اللہ تو ہی نجات دے تیرے سواء کوئی نجات نہیں دے سکتا "فلما نجاھم الی البر اذا ھم یشرکون"۔ جہاں اللہ نے نجات دی پھر اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا شروع کر دیتے تھے تو مانتے تھے کہ اللہ ہی بچا سکتا ہے۔ اللہ موجود ہے۔ لیکن اسکے باوجود اللہ کی عبادت میں اللہ کی صفات میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ ایسا ماننا اللہ کے یہاں قابل قبول نہیں ہے۔

شرک ایسی چیز ہے جسکی معافی نہیں:

حضرت عائشہ صدیقہؓ عرض کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا "الدواوین ثلثة[1]" حشر کے میدان میں تین دفاتر ہوں گے۔

ایک دفتر" دیوان لایغفر اللہ"۔ وہ ہے جس میں ایسے لوگوں کے اسماء ہوں گے جن کی کوئی بخشش نہیں

"الاشراک باللہ" وہ جماعت ہوگی جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتی تھی یقول اللہ عزوجل، اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: "ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء "(سورۃ النساء آیت ۱۱۶)مشرک کی اللہ مغفرت نہیں کرے گا ہاں اس کے علاوہ بڑے سے بڑا گنہگار ہو، اللہ چاہے گا تو معاف کردے گا

دنیا کا نظام اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے:

ایمان کی حقیقت اللہ کے وجود کو تسلیم کرنا ہے، وہ اکیلا اور تنہا ہے اپنی ذات میں، عبادت میں، تصرفات میں، صفات میں، اس کی کسی صفت میں اور تصرف میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ اور اگر ہوتا کوئی اس کے تصرفات میں اور صفات میں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوجاتا، برسہابرس سے ہم دیکھ رہے ہیں اور اب تو جنتریاں قائم ہوگئی ہیں نماز کے اوقات بھی ہم جنتریوں سے معلوم کرتے ہیں، برسوں سے یہ جنتریوں کا نظام ہے، جو نظام شمسی ہے، ہم نے دیکھا کہ آج فلاں

---

[1] عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدواوين ثلاثة ديوان لا يغفر الله الاشراك بالله يقول الله عز وجل ان الله لا يغفر ان يشرك به وديوان لا يتركه الله ظلم العباد فيما بينهم حتى يقتص بعضهم من بعض وديوان لا يعبأ الله به ظلم العباد فيما بينهم وبين الله فذاك الى الله ان شاء عذبه وان شاء تجاوز عنه۔ (مشکوٰۃ شریف، باب الظلم، ص ۴۳۵)

بہر حال ایمان باللہ میں یہ چیزیں ضروری ہے اور دوسرے نمبر پر فرمایا فرشتوں پر ایمان لانا فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں اور انسان اللہ کو مانے اس کے وجود کو تسلیم کرے لیکن فرشتوں کا انکار کرے تو وہ مومن نہیں ہوسکتا فرشتے ہم کو نظر نہیں آتے خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو جو بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے ان کو اپنی اصلی شکل میں دو ہی مرتبہ دیکھا ہے[1] ایک مرتبہ تو ابتداء وحی کے وقت اور ایک مرتبہ معراج کے موقع پر دو ہی مرتبہ حضرت جبرئیل امین کو اصلی شکل میں دیکھا کبھی حضور کے پاس انسانی شکل میں تشریف لاتے تھے تو کبھی حضرت دحیہ کلبی[2] جو بڑے خوبصورت صحابی تھے ان کی شکل میں آیا کرتے تھے۔

احسان کا مطلب:

ابھی میں نے حدیث جبرئیل سنائی جس میں انھوں نے اور سوالات بھی کئے ایک سوال یہ بھی کیا کہ یارسول اللہ احسان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”احسان یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ ہماری نسبت اتنی مضبوط ہو جائے کہ جب عبادت کریں یا کوئی بھی کام کریں تو اس وقت یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کو میں دیکھ رہا ہوں اگر اس مقام پر نہیں پہونچے تو کم از کم یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ

---

[1] حضرت عائشہ سے بخاری میں ایک روایت ہے کہ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا تو جبرئیل کو اپنی اصلی شکل میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے جن کو چھ سو پر تھے جن کی وجہ سے آسمان کے کنارے ڈھکے ہوئے تھے (بخاری شریف) [illegible]

[2] حضرت دحیہ کلبی کے حسن کا یہ عالم تھا کہ حضرت دحیہ کلبی بن خلیفہ بن فروہ بن فضالہ بن زید کلبی آپ کا [illegible] نام ہے [illegible] بہت خوبصورت تھے [illegible] حضرت جبرئیل [illegible] حضرت دحیہ کی صورت میں آتے تھے [illegible] جب وہ مدینہ کی گلیوں میں نکلتے تو عورتیں [illegible] کی تھی [illegible] صورت دیکھ کر [illegible] تھے [illegible] دونوں [illegible] کی [illegible] ہیں۔

رہا ہے" یہ بہت اونچا مقام ہے بولنے میں آسان ہے، لیکن زندگیاں کھپ جاتی ہے تب بھی مشکل سے یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔

نسبت یادداشت کو احسان سے تعبیر کرنا:

اسی کو بزرگوں کی اصطلاح میں نسبت یادداشت کہتے ہیں یعنی "الرجوع من الغیبة الی الحضور"[1] کہ انسان کا ہر لمحہ اس طرح گذرے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے، اور یہ مقام جب حاصل ہو گیا تو انسان کو سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے، پھر کوئی نیکی کا کام اس سے چھوٹتا نہیں ہے، اور کوئی برائی کی طرف اس کا قدم نہیں اٹھتا ہے۔ حضرات صحابہ کو یہ مقام کیسے حاصل تھا، قرآن پاک نے ان کی اس بات کو ذکر کیا ہے کہ حضرات صحابہ کو یہ مقام اتنا اونچا حاصل ہو گیا تھا کہ جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے تھے تو اس کی وجہ سے اللہ کا دھیان اور یقین کا غلبہ ایسا ہوتا کہ اپنے سینوں کو موڑ دیتے تھے کہ بھائی اللہ دیکھ رہا ہے اس حالت میں بھی ہمیں دیکھ رہا ہے۔ الا انهم يثنون صدورهم (سورہ ھود، آیت ۵) اپنے سینوں کو موڑ دیتے تھے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

قیامت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں:

اور پھر سوال کیا کہ قیامت کب آئیگی؟ آپ نے فرمایا: **ما المسئول عنها با علم من السائل** "جس سے سوال کیا جا رہا ہے وہ سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں" جیسے تم کو معلوم نہیں اس کا وقت کیا ہے، ایسے مجھے بھی معلوم نہیں کہ اس کا وقت کیا ہے لیکن قیامت ضرور آئیگی۔

---

[1] احسن الخواص کی توبہ۔ توبہ کے آنسو ص ۱۵ حکیم اختر صاحب۔

قیامت کی نشانیاں:

فاخبرونی عن اماراتھا" کچھ نشانیاں ہی بتلا دیجئے" آپؐ نے فرمایا۔ ان تلد الامۃ ربتھا" ایک نشانی تو یہ ہے کہ باندی اپنے آقا کو جنے گی" حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سے انقلاب احوال کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ نیچے طبقے کے تھے، وہ اوپر چلے جائیں گے یعنی آقاؤں کے طبقے پر وہ درجہ پر اور جو اونچے لوگ تھے باعزت لوگ تھے اہل تھے وہ نیچے آجائیں گے جیسا کہ باندی کے پیٹ سے آقا پیدا ہوگا، مطلب یہ ہے کہ ایک ماں اپنی اولاد پیدا کرے گی جبکہ اولاد تو اس لئے ہوتی ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرے اس کے بجائے اولاد حاکم بن جائے گی اور ماں باپ پر اپنا حکم چلائے گی، اور یہ اولاد جو حاکم بنے گی اور ماں باپ محکوم ہو جائیں گے، اور "عقوق الوالدین" یعنی والدین کی نافرمانی کی کثرت ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ لڑکے کے مقابلہ میں لڑکی کو ماں باپ سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اس کے بجائے لڑکیاں بھی ماں باپ کو ستانے لگیں گی ان پر حکومت چلائیں گی یہ قیامت کی ایک علامت آپؐ نے بتلائی" وان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء" اور ایک نشانی یہ بتلائی کہ ایسے لوگ کہ جن کا حال یہ تھا کہ پیر میں پہننے کے لئے چپل جوتے بھی میسر نہیں تھے، ان کا حال یہ تھا کہ بدن پر کپڑے بھی نہیں ملتے تھے، حال یہ تھا کہ بکریاں چراتے تھے علم سے کوئی واسطہ نہیں تھا، انسانیت سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ان کو آپ دیکھیں گے۔ ان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء فقیر بکریاں چرانے والے ننگے بدن لوگ یتطاولون فی البنیان۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگ بڑی بڑی عمارتوں میں فخر کریں گے، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگوں پر حکومت کریں گے۔

میں بھی یہ یقین ہونا ضروری ہے کہ اس کتاب کے بعد کوئی کتاب دنیا میں نہیں آئے گی۔

تقدیر پر ایمان لانا:

اور پانچویں نمبر پر "**ایمان بالقدر**" یعنی تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ دنیا میں اچھا برا، خیر و شر، موت و حیات، روزی روٹی، فراخی و تنگدستی جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے۔ تقدیر کس کا نام ہے؟ تو تقدیر نام ہے علم الٰہی کا بہت سے لوگوں کو اس میں شک و شبہ ہوتا ہے، اور شیطان وسوسے بھی ڈالتا ہے۔ اس لئے اس میں غور و فکر کو منع کیا گیا ہے کہ تقدیر میں غور و خوض مت کرو۔

تقدیر کسے کہتے ہیں؟

لیکن ایک بات سمجھنے کی ہے کہ تقدیر نام ہے علم الٰہی کا۔ انسانوں کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ انسان کی باتوں کو جانتا ہے، اور بعد میں کیا ہونے والا ہے سب جانتا ہے "علیم" ہے اس کا علم محیط ہے تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا، حضرت آدمؑ سے لیکر حضور ﷺ تک جتنے بھی لوگ آئے، اور قیامت تک جتنے آئیں گے، ہر ایک کو اللہ نے عقل دینے کا فیصلہ کیا کہ عقل دوں گا بعض لوگ مجنون ہوں گے لیکن اکثریت عاقل ہوں گے، اور میں دنیا میں اس کو اختیار دوں گا، اب اپنی عقل سے اپنے اختیار سے اچھا راستہ کون اختیار کرے گا؟ برا راستہ کون اختیار کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم تھا کہ وہ لکھ دیا گیا ہے کہ یہ انسان اپنے عقل و اختیار سے اچھا یا برا راستہ اختیار کرے گا اس کا نام ہے تقدیر۔ کوئی انسان تقدیر سے مجبور نہیں ہوگا وہ اللہ جانتا تھا کہ کون انسان کیا کرے گا، یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے مجبور کر رکھا ہے کہ کرنا ہی پڑے گا وہ کیا کرنے والا تھا وہ لکھا گیا اس کا نام ہے تقدیر۔

حضرت علیؓ کا مثال کے ذریعہ تقدیر کو سمجھانا:

حضرت علیؓ کے پاس ایک شخص آیا، اور پوچھا، کہ تقدیر کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایک پیر اٹھاؤ، انھوں نے ایک پیر اٹھایا، حضرت علیؓ نے کہا کہ دوسرا بھی اٹھاؤ، اس شخص نے کہا کہ دوسرا نہیں اٹھا سکتا ہوں تو حضرت علی نے دوبارہ کہا کہ اٹھاؤ تو اس شخص نے کہا کیسے اٹھاؤں؟ ایک پیر زمین پر رہے گا تو ایک اٹھے گا دوسرا رہے گا تو ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ دونوں اٹھاؤں تو فرمایا بس بعض چیزیں ایسی ہیں جو اللہ نے اپنے اختیار میں رکھی ہیں (مرقاۃ) جیسے، موت، حیات، اور روزی وغیرہ، بہت ساری ایسی ہیں جو اپنے اختیار میں رکھی ہیں جس پر تم قادر نہیں ہو ان کاموں میں دخل دینے پر قادر نہیں ہو اور ایک پیر تم نے اٹھا لیا تو بعض چیزوں کا اللہ نے اختیار دیا، ایمان، اعمال، اچھا، برا، نفع اور نقصان تم دنیا میں کر سکتے ہو تو اس کا کچھ اختیار اللہ نے دیا ہے پورا پورا اختیار اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے، جتنی زندگی ہے اتنی ملے گی بندہ کچھ نہیں کر سکتا ہے حیات جتنی ہے اتنی ملے گی جب موت ہے اسی وقت آئے گی، یہ ساری چیزیں انسان کے اختیار سے باہر ہیں لیکن بعض دوسرے کام اللہ نے انسان کے اختیار میں رکھے ہیں اس پر یقین رکھنے کا نام ہے "ایمان بالقدر"

بعث بعد الموت کا عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے:

اور اس کے بعد آخری مرحلہ ہے۔ اولاً اللہ پر ایمان لانا، رسولوں کو ماننا، فرشتوں کو ماننا، کتابوں کو ماننا، تقدیر پر ایمان لانا، اور سب سے اہم بنیادی عقیدہ، اور وہ یہ ہے کہ "مرنے کے بعد دوبارہ ہمیں زندہ ہونا ہے" مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اس کا سو فیصد یقین ہونا چاہئے تب جا کر کے انسان کا ایمان کامل ہوگا، انسان سب کچھ مان لے یہ پانچ چیزیں جو بتائی گئی ہیں سب کو

مانے لیکن مرنے کے بعد کا انکار کرتا ہے (یعنی مرنے کے بعد کی زندگی کا) آخرت کا انکار نہیں کرتا بلکہ شک وشبہ میں رہتا ہے کہ ہوسکتا ہے زندہ ہوں گے اور ہوسکتا ہے کہ نہ بھی ہوں، جو ایسے شک وشبہ میں ہی رہتا ہے وہ آدمی بھی مومن نہیں ہوسکتا۔ کفار مکہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو چیزوں میں زیادہ جھگڑا تھا۔

ایک: شرک کے معاملہ میں اللہ کے رسول توحید کی دعوت دیتے تھے جبکہ وہ شرک میں مبتلا تھے۔

دوسرا بعث بعد الموت کا معاملہ کہ وہ یہ کہتے تھے کہ انسان جب مرجائے گا اور زمین کے اندر چلا جائے گا تو ہڈیاں بوسیدہ اور مٹی ہوجائیں گی، کون اس کو دوبارہ زندہ کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو سمجھانے کے لئے قرآن میں جگہ جگہ عجیب عجیب حقیقتیں اور مثالیں بیان فرمائی، خود انسان کی مثال بیان فرمائی اور بالکل حق اور سچے واقعات بتلائے۔

حضرت ابراہیمؑ کا ایک واقعہ:

ایک واقعہ فقط عرض کرتا ہوں، حضرت ابراہیمؑ نے درخواست کی رب ارنی کیف تحی الموتی (سورہ بقرہ ۲۶۰) پروردگار تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ ذرا مجھے بتلادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم کیا تمہیں یقین نہیں ہے، عرض کیا اللہ کیوں یقین نہیں ہے لیکن میں تو اپنے دل کو اطمینان دلانے کے لئے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کا طریقہ کیا ہوگا۔ کسی کے گھر میں کوئی نئی مشین آجائے کہ اس میں فلاں چیز بنتی ہے اس کو یقین ہے کہ اس میں کوئی چیز بنتی ہے یقین ہو اس سے کہے گا یعنی کسی کاریگر سے کہ ذرا مجھے چلاکر کے بتلادیجئے کہ یہ چیز اس میں کیسے بنتی ہے؟ اس نے کہا بھائی تم کو یقین نہیں کیا، یقین ہے لیکن میں آنکھوں سے دیکھ لوں تو

اطمینان ہو جائے گا کہ فلاں چیز کیسے مٹی میں سے نکلتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت ابراہیم نے بھی عرض کیا کہ اے اللہ پورا یقین ہے لیکن میں اس کا طریقہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیسے زندہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا چار پرندے لو، سورہ بقرہ میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ قرآن میں پرندوں کا نام نہیں لکھا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی[1] نے تفسیر مظہری میں چار پرندوں کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ چار پرندے لو اور ان کو پہلے ہلاؤ، پھلاؤ، مانوس کر لو اپنے سے، ان سے محبت ہو جائے تو ان کو ذبح کر دو، اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو، قیمہ قیمہ کر دو، ان کی ہڈی گوشت پوست ایک ہو جائیں، چار حصوں میں اس کو تقسیم کر دو، اور ان کو چار پہاڑوں کے اوپر رکھ دو۔ چار پرندوں کا گوشت ایک ساتھ قیمہ کر دیا گیا، کوئی امتیاز نہیں ہو سکتا کہ کون سا حصہ کس پرندہ کا ہے، بالکل ایک ساتھ ملا دیا گیا، چار پرندوں کا گوشت ایک ساتھ پہاڑوں پر رکھا گیا اور ان کے سر حضرت ابراہیم کے پاس۔ حضرت ابراہیم کو کہا کہ اب ان کو بلاؤ، ان کو پکارو، اے پرندو اللہ کے حکم سے آ جاؤ! یأتینک سعیا سب تمہارے پاس دوڑ کر کے آ جائیں گے۔ چنانچہ لکھا ہے قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا وہ چار پرندے یہ تھے

(۱) کبوتر

(۲) کوا

---

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ [illegible] شیخ جلال الدین عثمانی کی اولاد سے ہیں [illegible] آپ کا نسب شیخ جلال الدین عثمانی کے واسطے سے حضرت عثمان پر ختم ہوتا ہے۔

آپ [illegible] پانی پت میں [illegible] قرآن [illegible] پانی پت [illegible] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [illegible] اس وقت آپ کی عمر [illegible] سال کی تھی [illegible] حضرت مرزا مظہر جان جاناں [illegible] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی [illegible] تفسیر مظہری [illegible]۔

(تذکرہ مفسرین ص ۱۱۲)

(۳) مور

(۴) مرغ

چاروں کا گوشت ایک ساتھ رکھا گیا تھا حضرت ابراہیمؑ نے پرندوں کو پکارا، قرآن کہتا ہے "یاتینک سعیا"[۱] وہ پرندے تمہارے پاس دوڑ کر آئیں گے یہ نہیں کہا کہ اڑ کر آئیں گے، اس لئے کہ دنیا میں اعتراض کرنے والوں کی کمی نہیں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تو اعتراض نہیں کر سکتے، لیکن بعد میں آنے والے کہہ سکتے تھے کہ اللہ میاں نے دو چار پرندوں کا گوشت تو رکھوایا وہ گوشت تو وہیں پڑا ہوگا، ہو سکتا ہے دوسرے پرندوں کو کہہ دیا کہ جاؤ، ابراہیمؑ کے پاس اڑ کر پہنچنے میں آدمی کو شبہ ہو سکتا تھا، اس شک کو بھی دور کر دیا کہ ان پرندوں کی طرف نظر رکھو، وہ چل کر، دوڑ کر آئیں گے، اڑ کر نہیں آئیں گے تا کہ کسی کو شک وشبہ اور اعتراض کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ پرندے دوڑتے ہوئے آئے، اور ہر ایک کا دھڑ ہر ایک کے سر کے ساتھ جڑ گیا۔ ایسا بھی نہیں کہ مرغ کا کوے کے ساتھ، اور کوے کا مرغ کے ساتھ فرمایا "کذالک" اسی طرح ہم قبروں میں سے انسان کو دوبارہ زندہ کریں گے، اللہ نے یہ واقعہ بیان فرمایا اور بھی کئی واقعات ہیں، حقیقتیں ہیں جو قرآن میں بتائی گئی ہیں، اس سے بہرحال عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ یہ ایمانیات ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا آپس میں ایمان کا مذاکرہ کرنا:

حضرات صحابہ کرامؓ جب آپس میں ملتے تھے تو فرماتے تھے "نؤمن" "آؤ اٹھو ہم ایمان لائیں، کیا صحابہ کرام ایمان والے نہیں تھے، بھائی ان سے بڑھ کر کس کا ایمان ہو سکتا ہے،

---

[۱] حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں بجائے کبوتر کے گدھا آیا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۶۔ پ ۳)

قرآن پاک میں تو اعلان کر دیا گیا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی طرح جو ایمان لائے گا ان کا ایمان ہمارے یہاں قابل قبول ہوگا" فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا " (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۳۶) دوسرے لوگ اگر صحابہ کی طرح ایمان لائیں گے تو ہمارے یہاں وہ ہدایت یافتہ ہوں گے جن کا ایمان ان کے ایمان سے ہٹ کر ہوگا ان کا ایمان قبول نہیں، اتنا پختہ ایمان تھا، پھر بھی صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں آؤ بیٹھو! آپس میں ہم ایمان لائیں۔ ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ ایمان لانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض کلمہ ہی پڑھ لے، بلکہ " نومن " آؤ ہم ایمان کا مذاکرہ کریں، یہ جو ایمانیات کی چھ صورتیں بتلائیں اس کے مذاکرہ کا نام ایمان ہے، بار بار اس کا تذکرہ اپنی مجلس میں، اپنے گھروں میں اپنے محلوں میں، اپنے بھائیوں میں کہ بھائی اللہ کو مانو مرنے کے بعد کی زندگی کا یقین رکھو فرشتوں کو، تو، جب تک ان چھ چیزوں کا یقین نہیں ہوگا، ایمان نہیں ہوگا اور ایمان نہیں ہوگا تو خسارہ میں ہوگا چھ چیزوں کا پورا یقین سو فیصد ہوگا تو انسان خسارہ سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔

ایمان کی مثال درخت کی سی ہے:

حدیث پاک میں ایمان کو ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے **"الایمان بضع وسبعون شعبة"**[1] ایمان کی ستر کے قریب کچھ شاخیں ہیں، ایک بڑے محدث ابن حبان[2] نے انھوں نے تو ان ستر شعبوں کو شمار کروایا ہے کہ کیسے ایمان کی اتنی شاخیں ہیں، اور ہمارے بزرگوں

---

[1] عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ الایمان بضع وسبعون شعبة فافضلها قول لا الٰہ الا اللہ وادناها اماطة الاذی عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان متفق علیه۔ (مسلم شریف باب شعب الایمان)

[2] نام: ابو حاتم محمد بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد البستی التمیمی۔ بقیہ اگلے صفحہ پر۔

نے اس پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ شعب الایمان، امام بیہقی کی کتاب ہے اور اس کے علاوہ بھی بعض بزرگوں نے کتابیں لکھی ہیں، بہر حال ایمان کو درخت سے یوں تشبیہ دی گئی ہے۔

ایمان کو درخت سے تشبیہ دینے کی وجہ

ایمان کی درخت سے وجہ مناسبت اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ درخت کی جڑیں زمین میں ہوتی ہیں، اور اس کی ٹہنیاں اور اس کے پھل اور پھول اوپر کی جانب ہوتے ہیں تو درخت دو چیزوں سے تعبیر کیا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ جیسے درخت کی جڑیں زمین میں ہوں گی تو اس کے اوپر پھل آئیں گے، ایسے ہی انسان کے دل میں ان چھ چیزوں کا یقین ہوگا، ایمان رچ بس جائے گا تو اب نماز، روزہ، زکوۃ، اعمال، تلاوت، اور ذکر یہ سب برگ و بار اور پھل اس کے اوپر آتے رہیں گے، اگر ایمان ہی نہیں تو نماز کی طرف نہیں جائے گا، زکوۃ نہیں دے گا، حج نہیں کرے گا، تلاوت نہیں کرے گا، اور ذکر نہیں کرے گا۔

....ماقبل صفحہ کا حاشیہ .... آپ نے علم حدیث کی تدریس و تعلیم کی طرف توجہ کی آپ کے تلامذہ و شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں سے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں: ابو الفضل عمران بن موسیٰ ابو حفص۔

ابو سعید کہتے ہیں کہ آپ سمرقند میں ایک زمانے تک منصب قضاء پر فائز رہے، آپ بڑے پائے کے فقیہ عالم حدیث، طب، نجوم اور دیگر فنون کے ماہر تھے، علم فقہ، حدیث، لغت وغیرہ میں ... طریقے سے بہترین والے اور اپنے زمانے کے عقلاء میں سے تھے اور کہتے ہیں کہ آپ ... آپ کو منصب قضاء دیا گیا آپ نے چھوڑ دیا پھر بخاری ... آپ نے وہاں جماعت ... اپنی تمام تصنیفات کی سماعت کی پھر اپنے وطن سمرقند چلے گئے آپ کا ... اپنی تصانیف کے ... علم ... (طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۳ ص ۱۴۳)

نماز سب سے اہم عبادت ہے:

اعمال میں سب سے اہم عبادت نماز ہے۔ نماز کتنی اہم ہے اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ ایک روایت جو بار بار سنتے رہتے ہیں، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ نماز کی اہمیت کتنی ہے؟ حدیث کی مختلف کتابوں میں یہ روایت ذکر کی گئی ہے، پہلے یہ سمجھئے کہ اللہ کے رسول اس امت پر کتنے شفیق تھے، انتقال اور وفات کے موقع پر بھی امت کی آپ کو فکر تھی، ہر ہر موقع پر آپ امت کیلئے بے چین و پریشان رہتے تھے، اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا کہ "لعلک باخع نفسک" کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنے نفس کو ہلاک کر دیں، امت کے غم میں کہ ایمان کیوں نہیں لاتے، اتنا غم کہ آپ کی ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا تھا، اللہ نے منع کیا اتنا غم مت کرو، ایک طرف تو آپ کی شفقت اور محبت کا یہ حال تھا۔

نماز چھوڑنے والے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب:

لیکن دوسری طرف نماز چھوڑنے والے پر آپ نے کتنی نفرت اور غصہ کا اظہار فرمایا کہ آپ نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں چند نوجوانوں کو حکم دوں کہ وہ لکڑیاں جمع کریں پھر میں اپنی جگہ پر کسی کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کردوں۔ اور پھر لوگوں کو لے کر چند نوجوانوں کو لے کر جاؤں اور وہ لوگ جو بلا عذر کے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، جماعت میں شریک نہیں ہوتے ہیں ان کو ان کے گھروں کے ساتھ جلادوں[1] آگ لگادوں، ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لقد ھممت ان امر بحطب لیحطب ثم امر بالصلوۃ فیؤذن لھا ثم امر رجلا فیؤم الناس ثم اخالف الی رجال فاحرق علیھم بیوتھم والذی نفسی بیدہ لو یعلم احدھم انہ یجد عرقا سمینا او مرماتین حسنتین لشھد العشاء (بخاری شریف ج ۱ ص ۸۹ باب وجوب صلوۃ الجماعۃ)

محبت و شفقت کا یہ عالم کہ جان کی ہلاکت ہونے کا اندیشہ لیکن جماعت چھوڑنے والے پر اتنا غصہ آپ کو آرہا ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو بھی اور ان کے گھروں کو بھی جلا دینے کا ارادہ کیا اس سے اندازہ لگایئے کہ حضور ﷺ کے دل میں کتنی نفرت ہوگی نماز چھوڑنے والوں سے؟ جبکہ جماعت چھوڑنے والوں کے ساتھ آپ نے اس سلوک کا ارادہ کیا یہ بات اور ہے کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کیوں ایسا عمل نہیں کیا جلانے کا؟ حضور ﷺ نے فرمایا گھروں میں عورتیں اور بچے بھی ہوتے ہیں جن پر جماعت فرض نہیں اس لئے میں نے اس ارادہ پر عمل نہیں کیا[1] یہ عورتوں اور بچوں کا ایک احسان سمجھ لیں کہ حضور ﷺ نے اس پر عمل نہیں کیا لیکن ایک مومن اندازہ کر سکتا ہے کہ نماز کی اہمیت کیا ہے؟ اس لئے میرے بھائیو! ایمان کے بعد نماز حقیقی زندگی میں آئے گی تو انسان کے دوسرے اعمال میں بھی قوت آتی چلی جائے گی۔

حضرت عمرؓ کا اپنے عاملین کو نماز کی تاکید کرنا:

حضرت عمرؓ نے اپنے عاملین کو خط لکھا، اور اس میں فرمایا کہ "ان اھم امورکم الصلوۃ" اس زمانے کے جو عامل اور گورنر ہوتے تھے وہ بے فکر اور ایسے عیاش نہیں ہوتے تھے، وہ بڑے پابند پھر بھی ان کو آپ یہ فرماتے ہیں کہ دیکھو فلاں صوبے کے تم عامل اور گورنر ہو کہیں یہ مت سمجھو کہ اس حکومت کا اور اس صوبہ کا پورا انتظام میں سنبھال رہا ہوں، مسلمانوں کے فیصلوں میں اور ان کے مقدمات میں اور ان کی خیر خواہی میں مشغول ہوں تو اب نماز میں بے پرواہی کروں ایسا مت سمجھنا تمہارے سارے کاموں میں سب سے اہم امر میرے نزدیک نماز ہے۔ چاہے قوم و ملت کی بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہو لیکن نماز کے مقابلہ میں سب ہیچ ہے نماز

---

[1] رواہ احمد من طریق سعید المقبری عن ابی ھریرۃ بلفظ لولا ما فی البیوت من النساء والذریۃ فتح الملھم ج ۲ ص ۲۱۸، اسلامی کتب خانہ۔

سب سے اہم کام ہے اس کو مت چھوڑنا یہ فرمان حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کے نام جاری کیا۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا نماز کے متعلق ایک ملفوظ:

میرے بھائیو! امت نماز سے کتنی بے فکر ہوگئی ہے ہمارے لئے نماز کا چھوڑنا بہت آسان ہوگیا ہے، حضرت فضیل بن عیاضؒ[1] کا ایک ملفوظ صاحب روح البیان جو بڑے مفسر ہیں، انھوں نے نقل کیا ہے کہ مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے کہ کسی شخص کے گھر پر کوئی میت ہوجاتی ہے لوگ اس کے یہاں تسلی کے لئے جاتے ہیں، جانا بھی چاہئے سنت ہے، تسلی دینی چاہئے۔ کہا لیکن مجھے افسوس ہے کہ کسی مسلمان کی اگر نماز چھوٹ جاتی ہے تو اس کے یہاں کوئی تعزیت کے لئے نہیں جاتا ہے، کیونکہ وہ خود بھی نماز چھوڑنے کو مصیبت نہیں سمجھتا ہے، اور مسلمان بھی نماز چھوڑنے کو مصیبت نہیں سمجھتا ہے، حالانکہ فرماتے ہیں کہ "میرا ایک عالم باعمل لڑکا ہو، اور نوجوان ہو ایک طرف وہ مرجائے، دوسری طرف میری جماعت کی فقط ایک رکعت چھوٹ جائے میرے نزدیک جماعت کی ایک رکعت چھوٹ جانے کا نقصان میرے نوجوان عالم باعمل لڑکے کے مرجانے سے بھی زیادہ ہے وہ اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا ایک رکعت کے چھوٹنے میں ہوگیا ہے"۔

چھ صفات میں علم وذکر کی اہمیت:

میرے بھائیو! ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے لیکن نماز پچاس سال آدمی پڑھتا رہے اور نماز کے مسائل اور علم سے واقفیت نہ ہوتو اس کی یہ نماز کسی کام کی نہیں۔ اس سے فرمایا یہ علم اور ذکر بھی ضروری ہے، علم کے بغیر نماز ہی نہیں، انسان کی ساری عبادتیں بغیر علم کے صحیح اور درست نہیں ہوگی۔ ایک انسان رات بھر عبادت کرتا رہے، روتا رہے گڑگڑاتا رہے لیکن وضو

[1] حضرت فضیل بن عیاض کے حالات "جواہر علمیہ ج ۲ میں ملاحظہ ہو۔

میں ذرا سی جگہ خشک رہ گئی پیر کے اندر تو ساری رات بھر کی اس کی نماز ہی نہیں ہوئی، یہ بات اور ہے کہ اللہ اس کے کسی اخلاص کی وجہ سے اس کو معاف کر دے وہ الگ بات ہے، لیکن اصولی طور پر یہ ہے کہ اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوئی، اس لئے ضروری ہے کہ نماز اور ساری عبادات کے صحیح ہونے کیلئے علم کا ہونا ضروری ہے، اور علم حاصل ہوگا علم والوں سے۔

مولانا الیاس صاحبؒ کا ملفوظ:

حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ[1] فرماتے تھے کہ میری اس دعوت وتبلیغ کی چلت پھرت کا ایک مقصد یہ ہے کہ عوام جو علماء سے کٹ چکی ہے ان عوام کو علماء سے جوڑ دے تاکہ ان کی زندگیوں میں دین کا علم آجائے۔ ہمارے ایک بزرگ ہیں، ایک مدرسے کے بڑے شیخ الحدیث ہیں، وہ ایک سال پڑھاتے تھے اور ایک سال جماعت میں جاتے تھے، ایسے دس سال انکے گذرے کہ پانچ سال پڑھایا، اور پانچ سال جماعت میں، ایک ایک سال انھوں نے اللہ کے راستے میں لگایا، ایک مرتبہ مصر تشریف لے گئے، مصر میں ان پر بڑی نگرانی رکھی گئی تو وہاں تو بڑے بڑے علماء ہیں مصر کے اندر ایسے علماء ہیں کہ ایک ایک عالم کو ہزاروں حدیثیں سند کے ساتھ یاد ہیں، وہ جب پڑھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، ان کے حافظے بھی ایسے ہوتے ہیں کہ ہم ان کے مقابلہ میں دو چار حدیثیں بھی پڑھ نہیں سکتے، ان علماء کے سامنے ان کو پیش کیا گیا، ان علماء نے کہا کہ ہم کو تبلیغ کرنے آئے ہیں، ہندوستان چھوڑ کر آئے ہیں، بت پرست ملک میں رہتے ہیں، ہمارے یہاں اسلامی ملک میں تبلیغ کرنے آگئے، یہاں تبلیغ کی کیا ضرورت ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہم تبلیغ کے لئے نہیں آئے ہیں ہم تو ایک بات فقط بتلانے آئے

---

[1] حضرت مولانا الیاس کے حالات "جواہر علمیہ ج ۱ میں ملاحظہ ہو۔

ہیں ماشاء اللہ آپ ذوق و شوق اور غور و فکر کی دعوت دیتے آئے ہیں کہ اللہ نے آپ کو امتیاز بخشا ہے قرآن کے آپ حافظ ہیں، دس ہزار، بیس ہزار، پچاس ہزار حدیثیں ایک ایک عالم کو یاد ہیں قرآن و حدیث کا ذخیرہ آپ کے سینوں میں محفوظ ہیں لیکن یہ سوچنے کی بات ہے کہ آخر آپ کے علم سے یہ عام مسلمان فائدہ کیوں نہیں اٹھا رہے ہیں؟ اور ہم ان عوام کو کیسے جاہل کہتے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے علم کے خزانے آپ کے یہاں ہیں تو آخر ان علم کے ذریعے سے تم فائدہ کیوں نہیں اٹھا رہے ہو؟ بزرگ نے کہا کہ وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور پھر میں پورے سال وہاں رہا مجھے حکومت کی طرف سے آفر (offer) دی گئی کہ آپ دو سال اس ملک میں رہو تو ہمارے ملک کے سارے اختلافات دور ہو جائیں گے۔

علماء اور تبلیغ کے کام والوں میں تفریق نہیں ہونی چاہئے

بہرحال ضرورت ہے علم کی کہ آج یہ جو ہمارے درمیان تفریق ہوتی ہے۔ اللہ کا فضل ہے گجرات میں بہت غنیمت ہے کہ ہمارے عام مسلمان بھائی بھی علماء سے جڑے ہیں، لیکن ہر جگہ اس کی ضرورت ہے اور زیادہ ضرورت ہے یہ ایک بہت بڑا شیطان کا دھوکہ ہے کہ علماء الگ ہیں دعوت و تبلیغ والے الگ ہیں، اور عام مسلمان الگ ہیں حالانکہ سارے کے سارے اللہ کے رسول کے صحابہ کرتے رہے جب علم حاصل کرنے کے لئے ایک جماعت حضور کے در پر پڑی رہتی تھی وہ جہاد میں نہیں جاتی تھی اور بہت سارے صحابہ جہاد میں جاتے تھے وہ آتے تھے تو یہ دین کی باتیں ان کو سناتے تھے[۱] تو اس کی ضرورت ہے۔ دو پہیوں ہی سے سائیکل چلے گی ایک پہیے پر سائیکل چلنے والی نہیں ہے۔

---

[۱] وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ الخ سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲

ذکر کی حقیقت :

علم کے ساتھ ذکر کی بھی ضرورت ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کی فضائل ذکر اس کتاب کی تعلیم سے (ہمارا کوئی گھر جو دعوت وتبلیغ سے جڑا ہو مسجد ہو چاہے وہ شہر ہو یا محلے جس میں دعوت وتبلیغ کا کام ہوتا ہے) خالی نہیں، فضائل ذکر بڑے اہتمام سے بیان کرتے ہیں لیکن اگر عملی طور پر ہم دیکھیں تو ہم ذکر سے اتنے ہی کورے ہیں فقط صبح اور شام تین تسبیحات کا پڑھ لینا یہ ذکر کیلئے کافی نہیں، انسان اتنا ذکر کرے، اتنا ذکر کرے کہ لوگ اس کو مجنون کہنے لگےلے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد کرنے والا بن جائے ذکر کی حقیقت کیا ہے، یاد الٰہی، اس لئے ہر آن اللہ کے ذکر سے ہماری زبان رطب اللسان رہے، اور ہمارے جو مشائخ بعض مخصوص اذکار بتلاتے ہیں، ان اذکار کو بھی سیکھنا چاہئے، اس سے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، خصوصاً ''ذکر بالجہر''۔

حضرت جیؒ کا آخری دم تک ذکر بالجہر کا اہتمام :

حضرت جیؒ نے وفات تک ذکر بالجہر کو نہیں چھوڑا۔

سفیان ثوریؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ آخری عمر میں بھی ہاتھ میں تسبیح رکھتے ہیں تو فرمایا جس چیز کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ تک پہونچے ہے اس کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

ذکر کی حقیقت :

میرے بھائیو! اس ذکر کی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے جیسے نماز سیکھے بغیر ہماری

لہ عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ قال اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون۔ رواہ احمد وابو یعلی وابن حبان والحاکم فی صحیحہ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۱۳ ۔ فضائل اعمال، فضائل ذکر

حاجت نہیں حدیث میں فرمایا گیا کہ سارے لوگ متقی بن جائیں ایک گروہ اور تمام اولیاء کام بھی دنیا میں جو کریں تب بھی اللہ کی بزرگی میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہو سکتا، اور ساری دنیا کے لوگ، فسق وفجور اور کفر وشرک کرنے لگیں تو اللہ کی کبریائی اور بڑائی میں ذرہ برابر کمی نہیں ہو سکتی وہ تو بہت بے نیاز ہے، ہماری عبادات، ہمارے ذکر، ہماری تلاوت، ہماری جد وجہد ضرور اللہ قبول کرلے ہم کو اس کی ذات سے امید رکھنی چاہئے لیکن کسی کا اپنے آپ میں بڑائی کا آ جانا اور ایک مسلمان بھائی کو حقیر جاننا یہ بالکل جائز نہیں ہے۔

اکرامِ مسلم:

اکرام مسلم کس چیز کا نام ہے؟ زبان سے اکرام، اکرام ہونے کا نام نہیں اکرام مسلم ہے حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ نے جو ایک نمبر بتایا ہے جو پورے حقوق العباد کو شامل ہے اس لئے ہر مسلمان کو اپنے سے اچھا اور افضل سمجھے، چاہے کتنا بھی برا ہو، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں فی الحال ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں، آئندہ پتہ نہیں کس کا کیا ہوتا ہے کسی کافر کو اللہ ایمان دیدے تو آئندہ کے اعتبار سے اس کو بھی ایمان کی وجہ سے اپنے سے افضل سمجھتا ہوں حضرت فرماتے ہیں کہ بڑے سے بڑے قطب کا انتقال ہوتا ہے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ اس کی کسی بات پر پکڑ نہ کرلے، اور بڑے سے بڑے فاجر فاسق کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت پر نظر ہوتی ہے کہ اللہ اس کی کوئی ادا پسند کرلے کیا پتہ، اس لئے میرے بھائیو! کسی کو حقیر جاننے کی ضرورت نہیں ہے، آج کل جو ہمارا معاشرہ بگڑا ہے لوگوں سے بدگمانی مسلمانوں کے خلاف

سلہ عن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ فیما یروی عن اللہ تبارک وتعالیٰ انہ قال... لو ان اولکم واٰخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم مانقص ذلک۔ الخ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف۔ باب الاستغفار والتوبۃ ص ۲۰۳)

سازشیں ایک دوسرے کی دشمنی بغاوت، بدظنی کو بھی منع کیا ہے، ہر مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھے۔

حضرت حسن بصریؒ کا واقعہ:

حسن بصریؒ دریا کے کنارے جارہے تھے، بڑے اولیاء میں ان کا شمار ہوتا ہے، ایک حبشی شخص کو دیکھا کہ وہ صراحی لے کر بیٹھا ہے اور اس کے گود میں ایک عورت سوئی ہوئی ہے، حضرت کے دل میں خیال آیا کہ میں واقعی بہت برا ہوں، لیکن اس سے اچھا ہی ہوں، دیکھو یہ کھلے میدان میں ایک عورت کو لیکر پڑا ہے اور شراب لے کر بیٹھا ہے، صرف ایسا خیال آیا، وہ بات اللہ نے اس کے دل میں ڈالی، وہ صاحب دل تھا، ایک کشتی چل رہی تھی جس میں دس آدمی سوار تھے غرق ہوگئی، اس نے چھلانگ لگائی اور نو لوگوں کو بچالیا، کنارہ پر لادیا، اور حسن بصری کو خطاب کیا کہ اگر تو مجھ سے اچھا ہے تو ایک کو بچا کر بتلا، میں تو نو کو بچاچکا ہوں۔ اور کہا کہ دیکھو یہ جو صراحی ہے اس میں شراب نہیں وہ تو پانی ہے، اور یہ میری ماں ہے جو بیمار ہے، اس کی خدمت میں مشغول ہوں۔

میرے بھائیو! کس کا کیا حال ہے ہم نہیں بتلاسکتے۔ آج ہمارا مشغلہ ہے مسلمانوں کی آبروریزی، مسلمانوں کو تنگ کرنا، سازشیں کرنا، ان کی عزتوں پر ہاتھ ڈالنا، سمجھتے ہیں ہم بہت ہوشیار لوگ ہیں، ہم نے فلاں کو شکست، فلاں کو ذلیل کردیا، میرے بھائیو! اللہ کے یہاں یہ ساری عبادات دھری کے دھری رہ جائے گی اگر مسلمان کے حق کے بارے میں پکڑ ہوجائے گی۔

اکرامِ مسلم حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے ہے:

اکرام مسلم خالی زبان سے بولنے کا نام نہیں ہے، اکرامِ مسلم سارے حقوق العباد کی ادئیگی کا نام ہے، اللہ نے حضرت کو جو الہامی علوم عطا کئے ہیں یعنی حضرت جی مولانا الیاس

صاحب کو انھوں نے ایسے ہی نمبر قائم نہیں کئے، یہ پوری شریعت کا خلاصہ ہے سب چیزیں حاصل ہے، نماز بھی ہے، روزہ بھی ہے، ذکر بھی ہے، علم بھی ہے، اور اکرام مسلم بھی ہے لیکن لوگوں کے دکھلا وے کے لئے ہو تو اللہ کے یہاں کوئی قبول نہیں۔

اخلاص نیت:

تصحیح نیت، یعنی نیت صحیح ہو، جو کام بھی کرے، مثلاً مسلمانوں کا اکرام کرے تو اللہ کے لئے، نماز پڑھے تو اللہ کے لئے، علم حاصل کرے تو اللہ کے لئے، ذکر کرے تو اللہ کے لئے، اور دین کا کام کرے تو اللہ کے لئے، یہ ساری چیزیں انسان کو حاصل ہو بھی جاتی ہیں، نیت بھی صحیح ہو اخلاص بھی ہو، لیکن بعض کام ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے ساری چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں، اور وہ بے لایعنی باتوں میں مشغول ہونا، انسان اپنی زبان سے فضول باتیں کرے، فضول کام کرے مجلس بازی کرے، اس کی وجہ سے انسان کے بڑے بڑے اعمال بیکار ہو جاتے ہیں، اس لئے فرمایا اپنے آپ کو فضول کاموں سے اور فضول اور لایعنی باتوں سے بچانا۔

امام ابوداؤدؒ کی منتخب شدہ چار حدیثیں:

امام ابوداؤد[1] نے اپنی ابوداؤد شریف کے اندر پانچ لاکھ احادیث میں سے ۴۸۰۰ حدیثیں جمع کی ہیں، [2] فرماتے ہیں کہ ۴۸۰۰ حدیثوں میں سے چار حدیثیں میں نے بطور

---

[1] امام ابوداؤد کے حالات "جواہر علمیہ" ج ۱ میں ملاحظہ ہو۔

[2] وقال ابو داؤد کتبت عن رسول اللہ ﷺ خمس مائۃ الف حدیث انتخبت منہا ما ضمنتہ و جمعت فی کتابی ھذا اربعۃ الاف حدیث و ثمان مائۃ حدیث من الصحیح و ما یشبہہ و یقاربہ و یکفی الانسان لدینہ من ذالک اربعۃ احادیث احدھما: انما الاعمال بالنیات۔ والثانی: من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ۔ والثالث: لا یکون المؤمن مؤمنا حتی یرضی لاخیہ ما یرضی لنفسہ۔ والرابع: الحلال بین والحرام بین وبینہما مشتبہات الحدیث۔ (حاشیہ سنن ابی داؤد، ص ۵)

باسمہ تعالیٰ

حضرت مفتی محمد کلیم صاحب دامت برکاتہم کا

یہ بیان ــــــــــ ــــــــــ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۝ وقال تعالی شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینٰت من الھدی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر ۔۔۔۔۔۔۔۔

رمضان کی فضیلت:

بزرگان محترم! اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت ہی احسان وکرم اور فضل ہے کہ اس نے ہمیں اپنی زندگی میں پھر سے یہ مبارک مہینہ عطا فرمایا جس کے دو عشرے گذر چکے ہیں اور اب ایک ہی عشرہ باقی ہے۔ اس مہینہ کی فضیلت اور اہمیت اور اس مہینہ کی عبادت کے سلسلہ میں قرآن میں بھی چند آیات مذکور ہیں، اور بہت ساری احادیث میں بھی تذکرہ ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یا ایھا الذین امنوا "اے ایمان والو!" تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ اگلی امتوں پر روزے فرض کئے گئے تھے تاکہ تم اللہ سے ڈرنے والے بن جاؤ، اور تمہاری زندگی تقویٰ والی بن جائے یہ چند دن کے روزے ہیں جو تم پر فرض کئے گئے، اور جو تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو، وہ دوسرے دنوں میں اس کی قضا کریں، اور وہ لوگ جو روزہ کی طاقت رکھتے ہیں، پھر بھی روزہ نہیں رکھتے تو وہ ایک مسکین کو کھانا کھلادے۔

امم سابقہ پر بھی روزے فرض تھے:

پہلی بات: روزے اس امت پر بھی فرض کئے گئے اور یہ امت یہ نہ سمجھیں کہ اللہ نے

ہمارے اوپر ہی مشقت ڈال دی ہے صبح سے شام تک بھوکے رہنے کی، لہٰذا اس شک وشبہ کو ختم کیا گیا کہ تم ہی پر صرف روزے فرض نہیں کئے گئے، بلکہ تم سے پہلی امتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جتنے انبیاء اور پیغمبر دنیا میں تشریف لائے، ان پر روزے فرض تھے جیسا کے ان پر نماز فرض تھی۔ دنیا میں کوئی امت ایسی نہیں گذری کہ اس پر نماز فرض نہ ہو اور کوئی امت ایسی نہیں گذری کہ اس پر روزہ فرض نہ ہو۔ البتہ روزوں کی تعداد اور روزوں کے طریقوں میں اختلاف رہا، جب امت یہ بات سنے گی کہ ہم سے پہلے بھی لوگوں نے روزے رکھے تو انکا بوجھ ہلکا ہو جائیگا اور یہ خیال کرے گی کہ ہم اکیلی امت اس بوجھ کو اٹھانے میں شامل نہیں ہیں، بلکہ دوسری ساری امتوں کے ساتھ ہم کو بھی شریک کیا گیا ہیں، اور یہ بات یاد رہے کہ ایک بوجھ جب سب لوگوں پر ڈالا جاتا ہے تو اس بوجھ کو اٹھانے میں آسانی ہو جاتی ہے، دل اسکو جلدی سے قبول کر لیتا ہے۔

روزہ کی فرضیت کب اور کیسے؟

اسلام میں روزہ کی فرضیت کیسے ہوئی؟ "بخاری شریف"، "مسلم شریف" اور حدیث کی دیگر کتابوں میں تفصیل بتائی گئی ہے۔ ابتداء ہی سے رمضان کے روزے فرض نہیں کئے گئے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں تھے تو مکہ مکرمہ میں روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اور نہ تو مکہ مکرمہ میں زکوۃ فرض ہوئی تھی لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہجرت کے دوسرے سال زکوۃ فرض ہوئی اور اسی سال روزہ بھی فرض ہوا، البتہ اتنا فرق ہے روزہ پہلے فرض ہوا، اور زکوۃ اسکے بعد فرض ہوئی اور دونوں کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہودی لوگ جو حضرت موسیٰ کو

رمضان کے روزوں میں تین تبدیلیاں ہوئیں:

لیکن رمضان کے روزوں کے سلسلہ میں تین تبدیلیاں ہوئیں۔

پہلی تبدیلی: ایک تبدیلی تو میں بتلا چکا کہ پہلے عاشورہ کا روزہ اور ایام بیض کے تین روزے فرض تھے پھر رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

دوسری تبدیلی: ابتداء میں اختیار تھا رکھنے کا یا روزہ کے بدلے فدیہ دینے کا پھر حکم آیا "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" کے ذریعہ ہر ایک کو روزہ رکھنا ضروری ہیں البتہ مریض مسافر افطار کر سکتے ہیں بعد میں قضا ضروری ہے۔

بیماری سے کونسی بیماری مراد ہے؟:

البتہ بیمار آدمی کی دو قسمیں ہیں: ایک: تو وہ جو ایسی بیماری میں مبتلا ہے کہ اگر وہ روزہ رکھے گا تو جان کا خطرہ ہے اور آئندہ بھی شفا یاب ہونے کی امید نہیں ہے تو اب اسکے لئے فدیہ دینے کی اجازت ہے اس فرق کو سمجھنا چاہئے کیونکہ بہت سے لوگ مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ بیماری کی وجہ سے روزہ چھوڑ سکتے ہیں، یہ اس شخص کے لئے ہے جو بہت بیمار ہو اور دن میں دو گیاں لگنی پڑتی ہیں یا پھر کمزوری ہے تو اسکے لئے فدیہ دینے کی اجازت ہے لیکن اگر کوئی شخص وقتی طور پر بیمار ہو گیا یا کوئی عارضہ پیش آگیا اور پھر اسکے روزے چھوٹ رہے ہیں تو اسکے لئے فدیہ دینے کی اجازت نہیں ہے، اسکے لئے تو جب صحت آجائیگی اور قوت آجائیگی تو قضا ضروری ہے، بہت سے لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ چلو بیمار ہے، فدیہ دیتے رہو، ایسا نہیں ہے جب طاقت آجائیگی تو قضاء ضروری ہے، بلکہ علماء نے یہ بھی مسئلہ لکھا ہے کہ ابتداء میں کوئی شخص ایسا بیمار رہا کہ شفاء پانے کی امید

نہیں رہی اور وہ فدیہ دیتا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر شفا دیدی تو جتنے فدیے دیئے ہیں وہ سب نفل ہو جائیں گے، اور اب نئے سرے سے قضا کرنی ہوگی۔

اور دوسرا شخص وہ بوڑھا ہے جو اتنا بوڑھا ہو چکا ہے کہ اس میں طاقت ہی نہیں تو اس کے لئے فدیہ دینے کی اجازت ہے۔ جبکہ ابتداء میں طاقت رکھنے والوں کو بھی اجازت تھی۔ اب یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور اب یہ حکم ہے کہ جو شخص مقیم ہو تندرست ہو اس کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ سفر کا بھی یہی مسئلہ ہے اگر سفر میں ہو چاہے مشقت ہو یا نہ ہو۔ بعض سفر مختصر ہوتے ہیں اس میں مشقت نہیں ہوتی اور بعض سفر بہت طویل ہوتا ہے، اس میں مشقت ہوتی ہے۔ پھر بھی اگر روزہ رکھے تو اچھا ہے، اور اگر نہ رکھے تو کوئی گناہ نہیں لیکن بعد میں قضاء ضروری ہے۔ اس میں بھی فدیہ کی اجازت نہیں یہ دوسری تبدیلی ہوئی۔

تیسری تبدیلی: اور تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ ابتداء میں جب روزے فرض ہوئے تو یہ حکم تھا کہ اگر رات میں سونے سے پہلے کسی کو کھانا ہو، پینا ہو، اور بیوی سے مصاحبت کرنی ہو تو کرے لیکن جب آنکھ لگ جائے گی تو اس کے بعد سے دوسرے دن کا روزہ شروع ہو جائیگا مثلاً آج افطار کیا پھر تراویح پڑھ کر سو گیا تو کھایا ہو یا نہ کھایا ہو دوسرے دن کا روزہ شروع ہو جاتا ہے۔ چند دن اس پر عمل ہوتا رہا۔ لیکن صحابہ کرامؓ کو بڑی مشقت پیش آنے لگی، چنانچہ اسی دوران حضرت عمرؓ اپنی بیوی سے حاجت اور ضرورت تھی تو انکی بیوی نے کہا میری تو آنکھ لگ گئی تھی میرا تو روزہ شروع ہو گیا وہ سمجھے کہ یہ تو بہانہ اور عذر کر رہی ہے اس بناء پر انہوں نے استمتاع (یعنی فائدہ) حاصل کر لیا اسی طرح ایک صحابی گھر آئے اپنی اہلیہ سے کہا کہ مجھے بھوک لگی ہے کھانے کا انتظام کرو اب وہ کھانا تیار کرنے لگی اتنی دیر میں اس صحابی کی آنکھ لگ گئی جب انہوں نے انکو اٹھایا تو کہا کہ میرا تو اب روزہ شروع ہو گیا میری تو آنکھ لگ گئی تھی۔ چنانچہ صحابہ کو تکلیف پیش آنے لگی تو پھر اللہ تعالیٰ نے

دوسرے احکام اتارے جنکو آگے کی آیت میں بتلایا گیا ہے۔ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ[۱] (سورۂ بقرہ آیت ۱۸۷) تمہارے لئے روزوں کی رات میں اپنی بیویوں سے استمتاع جائز ہے عورتیں تمہارے لئے پردہ ہے اور تم انکے لئے پردہ ہو، اللہ نے جان لیا کہ تم نے اپنی ذاتوں کے ساتھ خیانت کی، یعنی نیند لگ جانے کے بعد کھانا پینا، استمتاع منع تھا لیکن تم سے رہا نہ گیا یعنی حضرت عمرؓ سے[۲] اور صحابہ سے، اسلئے بتلایا اللہ جانتا ہے تمہاری خیانت کو، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کرلی اور جو گناہ تم سے ہوگیا اسکو معاف کردیا، اب تم رات میں مباشرت کرسکتے ہو، فائدہ اٹھاسکتے ہو، اب اللہ نے جتنا فرض کیا ہے اسی کو تلاش کرو صبح صادق سے لے کر غروب تک۔ آنکھ لگ گئی ہے تو سحری میں اٹھ کر کھا بھی سکتے ہیں اور اب کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سفید دھاگہ کالے دھاگے سے جدا ہوجائے۔ سفید دھاگہ سے مراد صبح کی روشنی اور کالے دھاگے سے مراد رات کی تاریکی، رات کی تاریکی چھٹ کر صبح کی روشنی ظاہر ہونے لگے وہاں تک کھانے پینے

---

[۱] عن البراء، قال كان الرجل اذا صام فنام لم يأكل الى مثلها وان صرمة بن قيس الانصارى اتى امرأته وكان صائما فقال عندك شئ قالت لا لعلى اذهب فاطلب لك فذهبت وغلبته عينه فجاءت فقالت خيبة لك فلم ينتصف النهار حتى غشى عليه وكان يعمل يومه فى ارضه فذكر ذلك للنبى ﷺ فنزلت احل لكم ليلة الصيام الرفث الى نسائكم قرأ الى قوله من الفجر (ابوداؤد شريف كتاب الصيام، ج ۱ ص ۳۱۷)

[۲] عن عبد الرحمن بن ابى ليلى قال، قام عمر بن الخطاب، فقال يا رسول الله ﷺ انى اردت اهلى البارحة على ما يريد الرجل أهله فقالت انها قد نامت، فظننتها تعتل، فواقعتها فنزل فى عمر، (أحل لكم ليلة الصيام الرفث الى نسائكم) تفسير ابن كثير ج ۱ ص ۵۱۱) دار طيبة

یہ مطلب ہے کہ جس طریقہ سے رگ میں خون آسانی سے دوڑتا ہے اسی طریقہ سے شیطان انسان کے جسم میں گھس کر دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے یہی دوڑنے کا مطلب ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے طاقت دی ہے کہ وہ انسان کو برے خیالات اور گناہوں کے وسوسے ڈالتا ہے، اور شیطان کو انسان پر قوت اسوقت حاصل ہوتی ہے، جب کہ آدمی پیٹ بھر کے کھانا کھا دے، جتنا آدمی پیٹ بھر کے کھا یگا اتنی اس کے ہاتھ میں بھی طاقت رہے گی، زبان میں بھی، آنکھوں میں بھی اس لئے کہ آدمی شکم سیر ہے پیٹ بھرا ہوا ہے اب وہ کسی جگہ جانا چاہیگا تو قدم جلدی سے تیار ہو جائیں گے، کسی کو مارنا چاہے گا تو ہاتھ اسکے لئے تیار ہو جائیں گا، اگر اپنی زبان سے گالی گلوچ، غیبت، بکواس کرنا چاہیگا تو زبان بھی اسکے لئے تیار ہو جائیگی (تو بول سکے گا) آنکھیں بھی ہر چیز دیکھنے کے لئے تیار ہو جائیں گی، اور اگر ایک دو دن بھوکا رہیگا پھر اسکو کوئی کہے کہ میری بات سنو تو کہے گا کہ جا ابھی میرا پیٹ خالی ہے، اب اچھی بات بھی نہیں سنے گا اور ضروری بات بھی کوئی بولنا چاہیگا تو نہیں بولے گا اسلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مہینے تک مشق کرنے کی قوت دی تا کہ کم از کم یہ اعضاء رک جائیں اسلئے کہ روزے کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کے اندر جو درندگی کی قوت ہے وہ ختم ہو جائے، بھوکا رہنے سے انسان کی اس قوت میں کمی ہوگی تو ظاہر بات ہے کہ اس سے گناہ وصدور نہیں ہوگا اور ایک مہینہ یہ مشق کریگا تو گناہ کی طاقت کم ہو جائیگی۔

آج روزہ کا مقصد ہم سے فوت ہو چکا ہے:

لیکن روزہ جو آج کل ہم رکھتے ہیں اس سے صرف کھانے کا ٹائم (Time) بدل گیا ہے کہ افطار کے وقت بہت زیادہ کھا لیتے ہیں کہ رات بھر چل جاتا ہے، اور سحری میں اتنا دبا لیتے ہیں کہ دن بھر چل جاتا ہے تو روزہ کا جو اصل مقصود ہے وہ فوت ہو گیا اسلئے کچھ نہ کچھ کمی کرنی

چاہئے کہ رات میں بھی اور دن میں بھی بھوک کا احساس ہو ورنہ روزہ تو ادا ہو جائیگا لیکن شریعت کا جو مقصد ہے وہ حاصل نہ ہوگا۔

ایک لطیفہ:

ایک پیر زادہ تھا اس نے دعوت میں اتنا کھالیا تھا کہ وہ دیوار پکڑ پکڑ کر گھر پہونچے، چلا بھی نہیں جارہا تھا گھر جاکر والدہ سے یہ کہا کہ آج میں نے اتنا کھالیا ہے کہ مجھ سے چلا بھی نہیں جارہا ہے، تو کہا کہ بیٹا تو نے اپنے باپ کا نام مٹی میں ملادیا کہ تیرا باپ تو اتنا کھاتا تھا کہ اسکو دعوت کے بعد چارپائی پر ڈال کر لانا پڑتا تھا، اس سے چلا بھی نہیں جاتا تھا اسلئے روزے کی ایک حکمت یہ بتلائی جاتی ہے کہ روزہ یہ غمخواری کا مہینہ ہے یعنی جب بھوکا رہیگا تب پتہ چلے گا کہ بھوک کا احساس کیسا ہوتا ہے اور پیاسا رہیگا تو پتہ چلے گا کہ پیاس کی تکلیف کیسی ہوتی ہے، تو بھوکوں اور پیاسوں کی ہمدردی اسے نصیب ہوگی اور جب بھوک ہی نہیں لگتی ہے، پیاس ہی نہیں لگتی ہے تو ہمدردی اسے نصیب ہی نہیں ہوگی۔

تقویٰ آنے کا ذریعہ:

بہرحال روزہ اسلئے فرض کیا گیا تا کہ زندگی میں تقویٰ آجائے، اور تقویٰ اعضاء کو بھوکا رکھنے سے آتا ہے، جب اعضاء بھوکے ہوں گے تو گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوں گے، اسی طرح تقویٰ اللہ کی طرف دھیان رکھنے سے آتا ہے۔

اللہ کے دھیان کا نام "تقویٰ" ہے:

دوسرے طریقے سے اسکو یوں سمجھنے کہ انسان روزہ جب رکھتا ہے تو بھوک لگتی ہے، پیاس

لگتی ہے تو وہ مسلمان چاہے وہ دوسرے سے نہ ڈرتا ہے لیکن اس وقت اسکے دل میں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اللہ کے دھیان اور خوف کی وجہ سے اپنے آپ کو کھانے اور پینے سے بچاتا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ روزہ نے ہمارے اندر دھیان پیدا کر دیا۔ اسی دھیان کا نام تقویٰ ہے کہ اللہ کے دھیان کی وجہ سے تم نے جب حلال کاموں کو چھوڑ دیا تو اب تم حرام کاموں کو بھی چھوڑ دو یہی مقصد ہے۔ جیسے کہ روزہ کی حالت میں اللہ دیکھ رہا ہے اسی طرح افطار کے بعد بھی دیکھتا ہے یعنی رمضان کے بعد بھی دیکھتا ہے۔ تو نے روزہ کی حالت میں اللہ کے دھیان کی وجہ سے گناہوں کو چھوڑ دیا۔ اب افطار کے بعد بھی ان کاموں کو چھوڑ دو یہی دھیان زندگی کے ہر موقع پر رکھنا چاہیے جو گناہ ہمارے معاشرہ میں رائج ہے ظلم، غیبت، کسی کی چغلی، ناحق مال لینا، اللہ کے حقوق ضائع کرنا، نماز ترک کرنا یہ سب چیزیں یہ انجام نہیں دینی ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول:

حسن بصریؒ فرماتے ہیں تقویٰ دو چیزوں کا نام ہے۔ ایک: اللہ کے فرائض کو انجام دینا، دوسری: اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان سے اپنے آپ کو بچانا۔

حضرت عمرؓ کا سوال:

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت کعب احبار سے پوچھا کہ "تقویٰ" کیا ہے؟ تو کہا امیر المومنین! کسی خاردار راستہ پر چلے ہیں؟ کہا: ہاں، کہا: وہاں کیسے چلتے ہیں؟ تو کہا ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اپنے کپڑے کو سمیٹتے ہوئے چلتے ہیں کہ کوئی کانٹا چبھ نہ جاوے تو حضرت کعب احبارؒ نے کہا اسی طرح تقویٰ ہے جو بھی قدم تم اٹھاؤ تو تمہارا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھنا چاہیے تمہارے دل میں یہ خیال ہونا چاہیے، کہ کہیں معصیت کا کانٹا ہمارے دل میں نہ چبھ

جائے۔

ہماری غلط فہمی:

آج کل ہمارے دلوں میں ایک بہت بڑی غلط فہمی آگئی ہے دیکھئے: قرآن پاک میں یہ تقویٰ کی آیتیں ۲۰۰ سے بھی زیادہ ہیں نماز جو بہت اہم ہے اسکا تذکرہ ۲۰۰ سے بھی کم آیتوں میں ہے لیکن ہم لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ تقویٰ (پاک صاف رہنا) یہ چند اللہ والوں کا کام ہے بعض مسلمانوں کا کام ہے ہم دوسرے بچنا ہر کوئی ہمارا کام نہیں حالانکہ یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم قرآن میں دیا وہ فرض ہو جاتی ہے، ایک مثال سے اس کو سمجھئے کہ کوئی بھی بڑا آدمی ہمیں حکم کرتا ہے تو ہم اسکو فرض سمجھتے ہیں مثلاً پولیس آفسر اپنے ماتحتوں پر حکم جاری کرتا ہے تو ہر ایک بجا لاتا ہے اسی طرح بیٹا باپ کا حکم مانتا ہے یہی قاعدہ ہے تو اللہ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے اسکو بجا لانا فرض ہے جیسا کہ کسی نمازی سے پوچھیں گے کہ تم نماز کیوں پڑھتے ہو تو وہ یہی کہیگا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسکا حکم دیا ہے، اسی طرح روزہ، حج کا حکم دیا ہے، اسی طرح زکوٰۃ کا بھی حکم دیا ہے تمام عبادتوں کے متعلق انسان اتنا ضرور جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکا حکم دیا ہے اسی طرح سینکڑوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے "تقویٰ" کا حکم دیا ہے جیسا کہ نماز کا حکم دیا تو نماز فرض ہوگئی اسی طرح تقویٰ پیدا کرنا ہمارا فرض ہے، لہذا فرض میں جو غلط فہمی ہے اس کو نکال دینا چاہیے۔

گناہ کرنے سے دل سیاہ اور زنگ آلود ہو جاتا ہے:

اسی لئے حدیث پاک میں فرمایا کہ جب انسان گناہ کرتا ہے، اسکے دل پر کالا نکتہ لگ جاتا ہے، اگر اس گناہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رو کر معافی مانگتا ہے تو وہ دھبہ دھل جاتا ہے لیکن

اگر کوئی پرواہ نہیں کرتا اور توبہ نہیں کرتا تو ایک دو نہیں دھبہ ہوتے ہوتے اسکا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور دل جب کالا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے[1] پھر اسکی ہدایت کا امکان نہیں ہوتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر کرم کردے پھر اسکو توبہ کی توفیق دیدے۔ قرآن میں مضمون بتلایا "کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون"۔ (پ ۳۰ سورۂ مطففین آیت ۱۴) یہ یوں نہیں مانتے، اس لئے کہ گناہوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر کاٹ، زنگ، چڑھ جاتا ہے، دل سخت ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ مہینہ دیا جیسا کہ یہ روزوں کا مہینہ ہے ویسے ہی استغفار کا بھی ہے، اس لئے ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اس مہینہ میں چار چیزوں کی کثرت کرو۔[2]

(۱) استغفار: یعنی، استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ، یا فقط، استغفر اللہ، اس کے معنی ہیں، میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتا ہوں، اسکے معنی پر توجہ کرتے ہوئے استغفار کرنا چاہئے۔

(۲) کلمہ طیبہ کا ورد: اس لئے کہ اس کلمہ میں بڑی تاثیر ہے، کہ ایک بوڑھا جس نے پوری زندگی کفر و شرک میں گذاری، ایک بھی نماز نہیں پڑھی لیکن مرنے سے پہلے اس نے سچے دل سے کلمہ پڑھ لیا (کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں،) اور پھر مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیگا، اس لئے حضور نے اس کی بڑی تاکید فرمائی کہ کلمہ کو کثرت سے پڑھو، اس سے تمہارا ایمان تازہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین اور ان سے محبت اور ان کی رسالت کا یقین

---

[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان العبد اذا اخطا خطیئۃ نکتت فی قلبہ نکتۃ سوداء فاذا ھو نزع واستغفر وتاب سقل قلبہ وان عاد زید فیھا حتی تعلو قلبہ وھو الران الذی ذکر اللہ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۷۰ و ابن ماجہ ۳۱۱)

[2] فضائل اعمال فضائل رمضان ص ۱۳

اور نور پیدا ہوگا، اس لئے کلمہ کثرت سے پڑھا کریں، اور مستورات سے بھی کہتا ہوں کہ پورا کلمہ پڑھنا چاہئے، اگر نہ پڑھ سکیں تو ۱۰۰ مرتبہ، لا الہ الا اللہ۔ اور آخری مرتبہ، محمد رسول اللہ پڑھیں۔

کلمہ طیبہ کی ایک خاص فضیلت:

ستر ہزار مرتبہ جو شخص کلمہ طیبہ اپنے لئے یا اپنے رشتہ دار کیلئے پڑھیگا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیگا، ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے یہ فضیلت سنی تو ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لئے پڑھا اور کئی نصاب خود اپنے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا، ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا، جو ایک مرتبہ ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا، اچانک اس نے چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہا کہ "میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے" اسکی حالت مجھے نظر آئی "میں اسکی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا، مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ماں کو بخشدوں، جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تجربہ ہو جائیگا، چنانچہ میں نے ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دیا، میں نے دل میں چپکے سے ہی بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی مگر وہ نوجوان فوراً کہنے لگا کہ میری ماں سے دوزخ کے عذاب کو ہٹادیا گیا، اب مجھے یقین آگیا کہ ستر ہزار کا نصاب بھی صحیح ہے، اس لئے وقت واغویات میں نہ گذارتے ہوئے اپنے گھر میں دس ہزار دانے ۱۰۰ ہزار والے جمع کرلیں، پھر کثرت سے اس کو پڑھیں، ایک ایک دن ۷۰ ہزار مرتبہ پڑھ سکتے ہیں، ہمارے اکابر تو اس مہینہ میں ملاقات اور بات کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے، بلکہ کہتے تھے کہ یہ مہینہ ملاقات کا نہیں بلکہ عشق و محبت کا مہینہ ہے، اور اللہ کو یاد کرنے کا مہینہ ہے، اس لئے روزے کا ایک مقصود تو تقویٰ ہے۔

لے فضائل اعمال، بزرگ سے مراد شیخ ابو یزید قرطبی ہیں فضائل ذکر ص ۷۸

سمجھتے ہیں لیکن غیبت مسجدوں میں ہورہی ہے، اور اس کا احساس تک نہیں ہوتا، اس لئے ضروری ہے کہ ہم غیبت سے احتیاط کریں۔ اور چغلی کہتے ہیں کسی کی پیٹھ پیچھے بات پہنچانا فساد پیدا کرنے کے لئے، اور تہمت لگانا تو غیبت سے بڑا گناہ ہے۔

جھوٹ کبیرہ گناہ ہے:

اسی طرح جھوٹ بولنا یہ بھی گناہ کبیرہ میں سے ہے، ایک عورت اپنے بچہ کو اشارہ سے بلا رہی تھی، آپ ﷺ نے کہا کیوں بلا رہی تھی؟ کیا تو اس کو کچھ دینا چاہ رہی تھی، اس عورت نے کہا ہاں میں اس کو کھجور دینا چاہ رہی تھی اس وجہ سے بلا رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو صرف بہانہ کر کے بلاتی اور کچھ نہ دیتی تو یہ بھی جھوٹ ہوجاتا [1] ہم اس طرح کے جھوٹ کتنے بولتے ہیں۔

جھوٹ بولنے پر وعید:

اسی طرح حدیث میں جھوٹ بولنے پر بھی سخت وعید وارد ہوئی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو رحمت کے فرشتے میلوں دور چلے جاتے ہیں [2] ایک حدیث میں آپ ﷺ نے بہترین جملہ ارشاد فرمایا: "من صدق نجا" جس نے سچ بولا اس نے نجات پائی، جب جھوٹ بولے گا تو ایک جھوٹ کی وجہ

---

[1] عن عبداللہ بن عامر قال دعتنی امی یوما ورسول اللہ ﷺ قاعد فی بیتنا فقالت ها تعال اعطیک فقال لها رسول اللہ ﷺ ما اردت ان تعطیه قالت اردت ان اعطیه تمرا فقال لها رسول اللہ ﷺ اما انک لو لم تعطه شیئا کتبت علیک کذبة رواه ابو داؤد والبیهقی فی شعب الایمان (مشکوة شریف ص ۴۱۶)

[2] عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال اذا کذب العبد تباعد عنه الملک میلا من نتن ما جاء به (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۹ باب ما جاء فی الصدق والکذب)

مشغول ہوجاتا ہوں تو آپ میری طرف دیکھتے ہیں، اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رخ پھیر لیتے ہیں[1] ذرا غور کرو، پچاس دن کیسے گذرے ہونگے لیکن اس کے باوجود جھوٹ نہیں بولے، خیر اللہ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا، تو ہمیں اپنے معاشرہ سے غیبت، چغلی، جھوٹ، وغیرہ کو مٹانا چاہئے۔

کسی کا مذاق اڑانا بھی گناہ ہے:

اس کے علاوہ ہمارے معاشرہ میں ایک برائی مذاق اڑانا ہے، یہ مذاق اڑانا کبیرہ گناہ میں سے ہیں، قرآن خود کہتا ہے، یاَیہا الذین اٰمنو لا یسخر قوم من قوم" اے ایمان والو! تم میں سے کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک کتے کو بری حالت میں دیکھتا ہوں اور مجھے ہنسی آتی تو مجھے ڈر محسوس ہوتا کہ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے، مجھے اس کا مذاق نہ اڑانا چاہئے، کہ کہیں اللہ مجھے اس کے جیسا نہ کردے[2] ہمارے اکابرین اللہ سے ڈرتے تھے، امام بخاریؒ نے کئی لاکھ احادیث لکھیں، کتنی چھان بین کے ساتھ یہ حدیثیں جمع کی ہیں، لیکن اسکے باوجود فرماتے ہیں کہ زندگی میں میں نے کبھی غیبت بھی نہیں کی، لوگ سمجھتے ہیں کہ کرامت تو یہ ہے کہ کوئی اڑ کر دکھادے، یا کوئی کرشمہ دکھادے، لیکن کرامت تو یہ ہے کہ اپنی زندگی اللہ کے حکموں کے مطابق گزارے۔

---

[1] کشف الباری ج ۸ ص ۶۲۳، مسلم شریف ج ۲ ص ۳۶۰

[2] معارف القرآن، مولانا ادریس کاندھلوی ج ۷ ص ۳۹۹ فرید بک ڈپو

کے نیچے روشنی کا احساس نہیں ہوتا اسی طریقہ سے گناہوں میں رہ کر ہمیں گناہوں کا احساس نہیں ہوتا۔

آنکھوں کا روزہ:

آنکھوں کا بچانا، آنکھ کے بہت گناہ ہیں، نامحرم، اجنبیہ عورتوں کو دیکھنا اور آجکل موبائیل انٹرنیٹ پر نیا کیا دیکھتے ہیں، اور یہ گناہ ایسا ہے کہ اس کی طرف جلدی خیال نہیں جاتا۔

بدنظری کی نحوست:

اس لئے حضرت شیخ محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بری نظر کا گناہ اتنا خطرناک ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے کبھی بھی اللہ کا تعلق قائم نہیں ہوسکتا، اللہ کی رحمت سے دوری ہوگا، اللہ کی محبت نصیب نہیں ہوگی۔

بدنظری سے عبادت کی حلاوت ختم ہوجاتی ہے:

اس لئے تراویح میں ہم کھڑے رہتے ہیں تو تھوڑی دیر ہوجاتی ہے تو شکایتیں کرنے لگتے ہیں کہ اتنی دیر ہوتی کیونکہ عبادتوں کی مٹھاس اور حلاوت ختم ہوگئی ہے، حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ جو حضرت زکریا کے والد ہیں، حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے دو رکعت نماز پڑھائی اور پہلی رکعت میں پورا قرآن پڑھا اور دوسری رکعت میں سورۃ ناس پڑھ کر دو رکعت مکمل کی، اور پھر کہا پیچھے جو دادی جان، یا امی جان کھڑی تھیں، ان سے کہا بقیہ ۱۸ رکعت تم پڑھ لینا میں جا رہا ہوں، اللہ نے کتنی روحانی طاقت عطا فرمائی تھی، یہ طاقت کھانے پینے سے نہیں آتی ہے، گناہوں سے بچنے سے اللہ طاقت دیتا ہے، زیادہ عبادت کر لینا کمال نہیں بلکہ حرام

کاموں سے بچنا یہ بہت بڑا عمل ہے، یعنی گناہ ہم سے نہیں چھوٹتا ہے، آج ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن جی نہیں لگتا ہے، قرآن کی تلاوت، استغفار میں بھی جی نہیں لگتا ہے، اس لئے گناہوں کو چھوڑنا بے حد ضروری ہے، تو نیکیوں میں حلاوت نصیب ہوگی، تقویٰ اختیار کرنا یہ ہر ایک کے لئے ضروری ہے، یہ ذہن میں نہ رکھے کہ یہ صرف بزرگوں کا کام ہے، اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ پر تقویٰ کا حکم دیا ہے۔

بہرحال، نعمتوں کو چیزوں اور دل کو صحیح جگہ استعمال کریں، بات طویل ہوگئی، ایک مثال دیکر بات ختم کردوں گا، کہ ہم گاڑی میں A.C چالو کرتے ہیں، تو اگر ۲۴ گھنٹہ چالو رہے اور گاڑی کی کھڑکیاں بند نہ ہوں تو پھر A.C کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اسی طرح روزہ میں گناہوں کی تمام کھڑکیاں بند کرنی ہوں گی، آنکھ سے صادر ہونے والے گناہوں کی کھڑکی، تمام اعضاء کی کھڑکی بند کرنی ہوگی تب جا کر روزہ کا مقصد حاصل ہوگا، ورنہ حدیث میں ہے، بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا، اس لئے کہ گناہوں سے نہیں بچے، اسی طرح بہت سے راتوں کو عبادت کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کو قیام کی تھکان کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا، اس لئے کہ انہوں نے دکھلاوے کے لئے نماز پڑھی، اللہ کے لئے نہیں پڑھی، بہرحال اس آیت میں روزہ کی ترغیب دی گئی ہے، اور تیسری بات مجھے عرض کرنی ہے کہ آخری عشرہ چل رہا ہے، شب قدر اسی عشرہ میں بتلائی گئی ہے، اور خصوصاً طاق راتوں میں، اس میں عبادت کرنے کا ثواب ہزاروں مہینوں سے زیادہ ہے (سورۂ لیلۃ القدر پ ۳۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی امتوں کی عبادتوں اور عمروں کا تذکرہ کیا، بعض لوگ ۵۰۰ سال تک عبادت کرتے تھے، صحابہ نے سنا تو ان کو بڑا رنج ہوا کہ ہماری عمریں تو ۶۰ - ۷۰ سال کی ہوتی ہیں، ۵۰۰ سال کی عبادت کہاں سے لائیں گے، اللہ تعالیٰ کو اس امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے رحم آگیا، تو اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے

مرتبہ حدیث کے درس میں یہ بات بتائی کہ رمضان میں نیکیوں کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے، ایک اچھی مثال سے انہوں نے سمجھایا کہ اگر حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہو جائے کہ پلو یا جم سونے کے بھاؤ میں لیں گے تو ہم لوگ گھر کی چھت سے لو یا نکالیں گے اور جو چیز بھی لوہے کی ہوگی اس کو نکال کر لیجا ئیں گے وہ فروخت کر دیجئے، چھت بھی کھلا ہوگا اور آٹھ دس دن دھوپ میں رہیں گے دروازہ کھلا رہے گا، رات بھر جاگ لیں گے تو دنیا کے لئے تکالیف اٹھا رہے ہیں اسلئے کہ نقد مل رہا ہے، لیکن آخرت کے متعلق اللہ نے اس سیزن میں بھاؤ بڑھا دیا ہے، پھر غفلت سے باز نہیں آتے، اس لئے اس کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔

وقت کی قدر کیجیے:

ہمارا مزاج یہ ہو گیا ہے کہ وقت کو فضول چیز سمجھتے ہیں، اکابر کے نزدیک وقت کی بہت اہمیت تھی، سفیان ثوریؒ[1] راستے سے گذر رہے تھے، تو چند نوجوان کو دیکھا گپ شپ بانک رہے ہیں سفیان ثوریؒ ٹھہرے ہو گئے، اور کہنے لگے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں کے پاس کتنا وقت ہے، لیکن کام میں نہیں لگاتے، اگر یہ وقت کوئی خریدنے کی چیز ہوتی تو میں خرید لیتا، اس لئے کہ ہمارے پاس بہت کام ہے، لیکن وقت نہیں ہے، کیا کریں خریدا تو جا نہیں سکتا، ایک انگریز نے کہا، The Time is Gold۔وقت سونا ہے، عرب لوگوں کا مشہور مقولہ ہے کہ الوقت هو الحياة، وقت زندگی ہے، جو لوگ وقت کو کام میں لگاتے ہیں وہ زندہ ہیں ورنہ وہ لوگ مردہ ہیں۔

ہمارے بعض اکابر تو ایک ایک دن میں سوا لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھتے تھے، حتی

---

[1] حضرت سفیان ثوریؒ کے حالات تجلیاتِ نبوی(؟) میں ملاحظہ ہو۔

برکت اللہ نے وقت میں رکھی تھی، حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھیؒ کے والد پولیس افسر تھے، اس کے باوجود وہ کہتے تھے میں اس عہدہ کے باوجود کبھی بھی اپنی اولاد کے پیٹ میں حرام کا لقمہ نہیں ڈالا، اور ساتھ میں روزانہ اللہ کا ذکر کرتے تھے، کون ان کو دنیا دار کہے گا، اللہ سے کتنا تعلق تھا۔

اس لئے میرے بھائیو! ہر ایک سے گذارش ہے کہ مجلس بازی اور ادھر ادھر وقت کو ضائع کرنے سے بچیں، اور اللہ کی یاد میں وقت کو گذاریں، اللہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

لہ حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی کے حالات "جواہر علمیہ" ج ا میں ملاحظہ ہو۔

حضرت مفتی محمد کلیم صاحب دامت برکاتہم کا

یہ بیان۔۔۔ مسجد ابراھیم رامپورہ سورت میں ہوا

الحمد لاهله والصلوة على اهلها اما بعد فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم، اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا (سورة مائده آيت ۳) وقال تعالى ان الدين عند الله الاسلام (سورة ال عمران آيت ۱۹) عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ الدواوين ثلاثة، ديوان لا يغفر الله الاشراك بالله، يقول الله عزوجل ان الله لا يغفر ان يشرك به وديوان لا يترك الله ظلم العباد فيما بينهم حتى يقتص بعضهم من بعض وديوان لا يعبأ الله به ظلم العباد فيما بينهم وبين الله فذاك الى الله ان شاء عذبه وان شاء تجاوز عنه[1] صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم ونحن على ذالك لمن الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب العالمين

اليوم اكملت لكم[2] آیت مبارکہ کا شانِ نزول:

بزرگانِ محترم! جب حضور ﷺ نے ۱۰ھ میں حج ادا فرمایا یہی آپ کا پہلا حج تھا اور یہی آخری حج تھا۔ حج کی فرضیت ۸ھ میں ہو چکی تھی ۱۰ھ میں جب پورے جزیرۃ العرب کے وفود آپ کی خدمت میں آرہے تھے۔ وفود کی کثرت کی بنا پر خود اپنی ذات سے

---

[1] مشکوۃ شریف باب الظلم ص ۴۳۵

[2] الیوم اکملت ان حضرت عبداللہ بن عباس [illegible] روایت ہے کہ قرآن کی آخری آیت [illegible] (ص ۴۴)

یہودی نے کہا کہ اگر ہمارے یہاں یہ آیت اترتی تو ہم اس دن کو عید کا دن مقرر کرتے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ عید کا دن مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ نے خود اس آیت مبارکہ کو عید کے دن اتارا، جمعہ کا دن یہ عید کا ہی دن ہے اور عرفہ کا دن بھی مبارک ہے ہمارے مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ نے اس آیت کے اندر بشارت دی کہ تمہارا دین مکمل ہو گیا اس میں اب کسی کمی بیشی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، دین اسلام کی نعمت کو میں نے تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اب اس دنیا کے اندر جو بھی انسان آئے گا میں اس سے اس وقت راضی ہوں گا جبکہ وہ دین اسلام کو اختیار کرے، اسلام کے علاوہ کسی مذہب سے میں راضی نہیں ہو سکتا۔

اسلام کسے کہتے ہیں؟

اسلام کس کو کہتے ہے؟ اسلام عربی زبان کا لفظ ہے، اسلام کے معنی ہے اطاعت وفرماں برداری لیکن کس طرح کی فرماں برداری معتبر ہے؟ جس کی وجہ سے آدمی اسلام میں داخل ہو جائے اور مسلمان کہلائے، تین چیزوں کی اطاعت، تین چیزوں کی فرمانبرداری اور اتقیاد ضروری ہے۔

(۱) دل: دل انسان کا سب سے اہم ہے، دل سے اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ اور اسکے احکامات کو مان لینا یہ دل کا اسلام ہے۔

(۲) زبان: زبان سے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے برحق ہونے کا اعتراف اور اقرار کرنا۔

(۳) اعضاء وجوارح: اعضاء وجوارح کے ذریعہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے احکام

کی تعمیل کرتا۔ دل، زبان، اور اعضاء، تینوں چیزوں سے مکمل طور پر اطاعت کا ثبوت دے تو وہ اسلام میں داخل ہوگا، اور مسلمان کہلائے گا، اگر کوئی شخص دل سے نہیں مانتا صرف زبان سے اعتراف اور اقرار کرتا ہے فرمایا: کہ وہ مسلمان مومن نہیں ہے وہ تو منافق ہے قرآن پاک میں جگہ جگہ ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور کوئی شخص دل سے مان رہا ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا، نہ اعضاء سے اسلام کے احکام اور عبادات اور اعمال کو انجام دیتا ہے تو دنیا کے اندر وہ مسلمان نہیں کہلائیگا، ہو سکتا ہے کہ دل سے اللہ کو مان لیا اس وجہ سے اللہ کے یہاں اس کا ایمان معتبر ہوگا، لیکن دنیا کے اندر وہ اسلام کے اندر داخل نہیں ہوگا، اور اسلامی احکام اس پر جاری نہیں ہونگے۔

اسلام دین کامل ہے:

اللہ تعالیٰ نے یہ دین ہمیں دیا ہے جو کہ مکمل ہے، اب اس میں زیادتی اور کمی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور پکا اور سچا مسلمان وہی کہلائیگا جو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرے، اور اسلام میں ہر موقع و محل کے اعتبار سے ہدایات عطا فرمائی گئی ہیں کہ کونسی چیزیں کرنی ہیں؟ اور کونسی نہیں کرنی؟

محرم الحرام کا مہینہ پہلے سے قابل احترام ہے:

اسلامی مہینوں میں سال کی ابتدا محرم الحرام سے ہوتی ہے، محرم کے معنی حرام کیا گیا، قابل تعظیم[1] محرم احرام کی وجہ تسمیہ: یہ ہے کہ اس مہینہ میں زمانہ جہالت میں قتال حرام تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اسلام سے پہلے چند مہینہ ایسے تھے جن کو مشرکین اور کفار بھی قابل احترام اور

[1] فیروز اللغات ص ۱۲۱۲

واجب الاحترام مانتے تھے، ان میں تین مہینے مسلسل ہیں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب ہے ان چار مہینوں کو قابل احترام ماننے کا مطلب یہ تھا کہ عرب مشرکین میں آپس میں لڑائیاں ہوا کرتی تھیں تو ان چار مہینوں میں وہ لڑائیاں بند کر دی جاتی تھیں، آپس میں قتل و قتال، اور لڑائی جائز نہیں سمجھتے تھے، الغرض ان مہینوں کا وہ احترام کرتے تھے[1]۔

محرم الحرام کے محترم ہونے کی وجہ:

اس سے معلوم ہوا کہ محرم کا مہینہ پہلے ہی سے قابل احترام سمجھا جاتا ہے، ایک وجہ یہ بھی بتلائی گئی ہے کہ بہت سے اہم کام محرم میں ہوئے خصوصاً دسویں محرم کو پیش آئے جیسے کہ بعض روایت میں اس کی صراحت ملتی ہے۔

[1] اشہر حرم چار ہیں۔ ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور رجب۔ اسلام سے پہلے بھی ان چار مہینوں میں جنگ کو حرام سمجھا جاتا تھا، اور مشرکین مکہ بھی اسکے پابند تھے۔ ابتدائے اسلام میں بھی یہی حکم یہی قانون نافذ تھا، اسی لئے صحابہ کرام کو اشکال آیا۔ اسکے بعد یہ حرمت قتال منسوخ کر کے مطلقاً قتال کی اجازت باجماع امت دے دی گئی مگر افضل اب بھی یہی ہے کہ ان چار مہینوں میں ابتداءً بالقتال نہ کی جائے بصرف مدافعت کی ضرورت سے قتال کیا جائے۔ اس خلاصہ سے یہ کہنا بھی فی الجملہ درست ہے کہ شہر حرم کی حرمت منسوخ نہیں باقی ہے، جیسے حرم مکہ میں قتال کی اجازت بضرورت مدافعت دینے سے حرم مکہ کی حرمت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ صرف ایک استثنائی صورت پر عمل ہوا۔ رجب المرجب کی وجہ تسمیہ: رجب ماخوذ ہے ترجیب سے جس کے معنی ہوتے ہیں تعظیم کرنا چونکہ اس مہینہ کو اہل عرب شہر اللہ (اللہ کا مہینہ) کہتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے، اسی وجہ سے اس کا نام رجب رکھ دیا۔ (غیاث اللغات ص ۲۰۷) ذی قعدہ کی وجہ تسمیہ: ذی کے معنی والا اور قعدہ کے معنی بیٹھنا، چونکہ یہ مہینہ بھی اگلے زمانے میں ایک اشہر حرم تھا، اس لئے اہل عرب اس مہینہ میں کاروبار و مقاصد ترک کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ (غیاث اللغات ص ۲۱۳) ذی الحجہ کی وجہ تسمیہ: حج کے نسبت کے ساتھ اگلے معنی سال کے ہیں، چونکہ یہ مہینہ سال کے آخر میں آتا ہے، اس پر سال کی تکمیل ہوتی ہے، اس وجہ سے اس کو ذی الحجہ کہتے ہیں (غیاث اللغات ص ۲۱۳)

حضرت یوسف علیہ السلام[1] کا واقعہ :

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت یوسف علیہ السلام تھے جو حسین وجمیل تھے، اور اس وقت وہ بہت چھوٹے تھے۔ اس وجہ سے یعقوب علیہ السلام ان سے بڑی محبت کرتے تھے، اور شفقت فرماتے تھے تو ان کے دوسرے بھائیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام پر حسد ہوتا تھا کہ ہمارے والد ان کو کیوں زیادہ محبت اور شفقت کرتے تھے۔

---

[1] حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق چند مفید معلومات: یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم اس طرح حضرت یوسف حضرت ابراہیم کے پڑپوتے ہوتے ہیں۔ حضرت یعقوب کی پہلی بیوی ایلیا بنت لیان یالابان کے انتقال کے بعد ان کی بہن راحیل بنت لیان سے نکاح کیا، ان سے حضرت یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے، جب بنیامین کی پیدائش ہوئی حالت نفاس ہی میں انتقال ہو گیا۔ حضرت یوسف اور بنیامین حقیقی بھائی تھے، باقی سب علاتی (باپ شریک) تھے۔ حضرت یوسف کا ذکر پورے قرآن میں ۲۶ مرتبہ آیا ہے جن میں سے ۲۴ مرتبہ سورۂ یوسف میں آیا ہے (جمالین شرح جلالین ج ۳ ص ۲۲۹) حضرت یوسف کو جس کنواں میں ڈالا گیا وہ شداد نے اس وقت کھدوایا تھا جب اردن کے شہروں کو شداد نے آباد کیا تھا اور یہ کنواں اوپر سے تنگ نیچے سے کشادہ تھا جس کی وجہ سے اس میں بالکل اندھیرا رہتا تھا، اور علامہ کاشفی فرماتے ہیں اس کنواں کی گہرائی ستر (۷۰) گز تھی۔ (حاشیہ جلالین ص ۱۹۰) کنویں میں ڈالے جاتے وقت آپ کی عمر: کنویں میں ڈالے جانے کے وقت آپ کی عمر بعض نے ۱۲ سال بیان کی (الاتقان ج ۲ ص ۳۴۳) اور الکامل التاریخ (ج ۱ ص ۱۵۵) پر ۱۷ سال کا ذکر ہے اور بعض نے ۱۸ سال ذکر کی ہے، حاشیہ جلالین (ص ۱۹۰) اور صاحب تفسیر مواہب الرحمن نے (ج ۴ ص ۲۳۶) پہلے قول کو صحیح کہا ہے اور صاحب جلالین نے لکھا ہے کہ ۱۷ سال یا اس سے کم تھی۔ جب حاکم بنے اس وقت ان کی عمر تیس برس کی تھی (البدایہ ج ۱ ص ۲۱۰۔ الکامل ج ۱ ص ۱۵۵) اور نوے (۹۰) سال حکومت کی (حاشیہ جلالین پارہ ۱۳ ص ۱۹۱) حضرت یعقوب کے بیٹے: ۱ یوسف۔ ۲ روبیل۔ ۳ شمعون۔ ۴ لاوی۔ ۵ یہودا۔ ۶ دان۔ ۷ نفتالی۔ ۸ آشر۔ ۹ جاد۔ ۱۰ یشجر۔ ۱۱ زبولون۔ ۱۲ بنیامین (خازن ج ۳ ص ۵)

برادران یوسف کا حضرت یوسفؑ سے حسد:

چنانچہ بھائیوں نے حسد کرنا شروع کر دیا، اور یوسف علیہ السلام کو راستہ سے ہٹانے کا پروگرام بنایا، حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کی، کہ یوسفؑ کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ ''ارسلہ معنا غدا یرتع و یلعب'' ذرا کھیلے گا، اور تفریح کریگا، پورا واقعہ نہیں بتانا فقط یہ بتلانا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے پہلے تو اجازت نہیں دی، لیکن بعد میں مجبور ہو گئے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کی حفاظت کا وعدہ لیکر ان کو روانہ کیا، پھر بھائیوں نے پلان بنایا ''اقتلوا یوسف'' کہ یوسف کو قتل کر دو، ایک نے کہا'' لا تقتلوا یوسف والقوہ فی غیبۃ الجب'' کہ قتل مت کرو، کنویں میں ڈال دو، ''یلتقطہ بعض السیارۃ'' کوئی قافلہ آئیگا لے جائیگا، چنانچہ حضرت یوسفؑ کو بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا چند کوڑیوں کے عوض فروخت ہونا:

ادھر سے ایک قافلہ گذر رہا تھا، اس قافلے نے جب پانی کے لئے کنویں میں ڈول ڈالا تو اسکے اندر یوسف بیٹھ گئے تو قافلہ والوں نے دیکھا کہ ڈول میں کوئی خوبصورت لڑکا ہے، بہر حال ان قافلہ والوں نے مصر جا کر حضرت یوسفؑ کو چند درہم کے عوض فروخت کر دیا، اس کے بعد وہ وہاں رہے اور زلیخا ان پر فریفتہ ہو گئی، واقعہ لمبا ہے اسکے بعد حضرت یوسف جیل چلے گئے۔

الی فرعون انہ طغی فرعون کے پاس جاؤ، وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے دعا فرمائی کہ ان کو بھی میرا وزیر بنا دیجئے، اور میرے کام میں ان کو شریک فرما دیجئے، پھر موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر تشریف لائے، ادھر حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔

دونوں نبیوں کو فرعون کی طرف بھیجنا:

بہر حال دونوں کو حکم دیا کہ جاؤ فرعون کے پاس، فقولا لہ قولا لینا، پہلے تو نرمی سے سمجھاؤ، اور اللہ کی طرف اس کو دعوت دو، اور یہ بھی مطالبہ کرو کہ بنی اسرائیل جو انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں جن کو تم نے غلام بنا رکھا ہے ان کو ہمارے ساتھ روانہ کرو، اس سے معلوم ہوا کہ جہاں حضرت انبیاء علیہم السلام اپنی امت کی آخرت کی فکر کرتے ہیں، دنیا کی تکالیف کو مٹانے کی بھی فکر کرتے ہیں، اور یہاں بنی اسرائیل اور ان کے مرد و عورتیں اور بچے سب کو فرعون اور آل فرعون نے غلام بنا لیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اللہ کی طرف دعوت دی، وہ بھی اس نے قبول نہیں کیا اور نہ بنی اسرائیل کو بھیجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا راتوں رات نکلنا:

اللہ نے حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر نکل جاؤ "ولقد اوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی" (سورۃ طٰہٰ، آیت ۷۷)، چنانچہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر نکل گئے، بارہ قبیلے چونکہ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی بارہ اولاد کی نسل تھیں، اور یہ فرعون اور اس کا

لشکر لاکھوں کی تعداد میں تھا، حضرت موسیٰ اپنی قوم کو فلسطین لے جانا چاہتے تھے، درمیان میں جانے کے لئے دو راستے تھے ایک شام کی جانب جو خشکی کا راستہ تھا، اور ایک دریا جس کو بحر قلزم کہتے ہیں اس کی طرف جانے والا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو پانی والے راستہ سے لیکر چلے، اور دریا کے کنارے پہونچے ادھر فرعون اور اس کی فوج کو خبر ہوگئی کہ بنی اسرائیل بھاگے جارہے ہیں؟ اب ہماری خدمت کون کریگا؟

بعض مفسرین نے لکھا ہے، اور تفسیر میں بعض اسرائیلی روایت بھی آجاتی ہے، بعض لکھتے ہیں کہ فرعون کا اتنا بڑا لشکر تھا کہ اس زمانے میں لشکر کے پانچ حصے ہوا کرتے تھے۔

ایک حصہ آگے ہوتا تھا جس کو مقدمۃ الجیش کہتے ہیں، تو لشکر کے اگلے حصہ میں فقط ساٹھ لاکھ فوج اس کے اندر تھی، اور ایک درمیان میں ہوتا ہے، جس کے اندر بادشاہ ہوا کرتا تھا، دائیں جانب الگ بائیں جانب الگ، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ، یہ عربی میں پانچ حصہ لشکر کے بنائے جاتے تھے، اس زمانے میں تو اگلے حصہ میں ساٹھ لاکھ اس کی فوج تھی اور ستر ہزار اس کے پاس صرف کالے گھوڑے تھے، فرعون اتنا بڑا لشکر لیکر روانہ ہوا۔

فرعون کا فوج کے ساتھ تعاقب کرنا:

بنی اسرائیل نے دیکھا کہ دریا سامنے ہے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا تو فرعون کا لشکر ہے، بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمیں موسیٰ نے ہلاک کر دیا، آگے سمندر ہے، پیچھے لشکر جرار ہے، جو ہمیں چیونٹیوں کی طرح مسل دیگا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کہ میرا رب میرے ساتھ ہے، "ان ربی سیہدین" حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یقین کتنا مضبوط تھا۔

فرعون کا غرق ہونا:

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ''فاوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر'' [سورۃ شعراء رکوع ۴] کہ اپنی لکڑی کو دریا پہ مارو! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لکڑی دریا کے اوپر ماری تو بارہ راستے دریا کے اندر بن گئے، ہر قبیلے کے لئے ایک ایک راستہ بن گیا اور دونوں طرف کا پانی اپنی جگہ ٹھہر گیا، اور اس کی زمین خشک ہوگئی، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اندر داخل ہوگئے، اور تمام قبائل دریا میں داخل ہوگئے، جب دریا پار کرنے کے قریب ہوگئے تو فرعون دریا کے قریب آگیا، اس نے دیکھا کہ راستہ کھلا ہے خوف زدہ ہوگیا کہ اندر جاؤنگا تو پتہ نہیں میرا کیا حشر ہوگا؟ جلالین شریف کے شارحین نے لکھا ہے کہ وہ جانے کیلئے آگے پیچھے ہورہا تھا تو حضرت جبرئیلؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک گھوڑی پہ سوار ہوکر دریا میں داخل ہونے کا حکم دیا، اور ان کی گھوڑی آگے آگے دریا کے اندر جانے لگی خشک راستے میں فرعون اپنے گھوڑے پر سوار تھا، وہ جانا نہیں چاہتا تھا، لیکن گھوڑی کو دیکھ کر فرعون کے گھوڑے نے چھلانگ لگائی۔ قافلہ والوں نے دیکھا کہ فرعون جارہا ہے تو تمام قافلہ والے بھی چلنے لگے، جب بیچ دریا کے بیچ میں گئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، پوری فوج ہلاک ہوگئی تو دیکھو! وہی شخص جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا، اللہ نے اس کو ہلاک کردیا، اور بنی اسرائیل جو انبیاء کی اولاد تھی فرعون اور اس کے ظلم سے اس کو نجات دی، یہ محرم کا مہینہ تھا اور عاشورہ کا دن تھا، اس لئے یہ مہینہ پہلے ہی سے قابل احترام اور عظمت والا سمجھا جاتا تھا، اور اس کے پیش نظر شکریہ کے طور پر بنی اسرائیل یعنی یہودی جو حضور کے زمانے میں بھی تھے اس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں، اس لئے ہم بھی اس کا روزہ رکھیں گے، ابوداؤد میں

لیکن اللہ کی صفات کے اندر دوسروں کو شریک ٹھہرانا، جیسا کہ کفار مکہ اللہ کے وجود کے منکر نہیں تھے اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے تھے قرآن میں مختلف مواقع پر ذکر کیا گیا ہے:

ولئن سالتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله فانى يؤفكون۔

"آپ ان سے پوچھئے کہ تم کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم کو اللہ نے پیدا کیا" یعنی وہ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ ہمارا خالق ہے، لیکن وہ اللہ کے صفات میں دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ مثلاً:

فلاں بت روزی دیتا ہے۔

فلاں شفاء دیتا ہے۔

فلاں اولاد دیتا ہے۔

عالم الغیب صرف اللہ:

هو الله الذي لا اله هو، الرحمن الرحيم، الملك القدوس، عالم الغيب والشهادة، وہ چیزیں جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے اللہ اس کو بھی جاننے والا ہے، عالم الغیب ہونا یہ اللہ کی صفت ہے، عالم الغیب ہونے کا مطلب: یہ ہے کہ ہم جن چیزوں کو دیکھ نہیں پاتے ہماری نگاہ ان چیزوں کو دیکھ نہیں پاتی، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے، ہر ہر چیز اللہ کے سامنے موجود ہے، کوئی چیز اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں ہے، اب کوئی شخص یہی عقیدہ انسان کے لئے رکھے، کہ فلاں ولی ہر چیز کو جانتا ہے ہر ہر بات پر مطلع ہے تو یہ شرک فی الصفات کے قبیل سے ہے۔

شرک فی التصرف :

حضرت مفتی شفیع صاحب نے تیسری قسم بتلائی شرک فی التصرف: کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کسی کو نفع نقصان کا مالک سمجھے۔

ایمان کو شرک سے بچانے پر جنت کا وعدہ:

مسلم شریف کے اندر روایت ہے کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور اپنے ایمان کے اندر شرک کی آمیزش نہ کریں تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کو حرام کردینگے، اور جنت اس کے لئے واجب کردینگے[1] سورۂ یوسف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون" (سورئہ یوسف آیت ۱۰۶) یعنی ان میں اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہے لیکن شرک بھی کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل کو شرک سے بچنے کی تاکید:

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نے "التعلیق الصبیح" شرح مشکوٰۃ المصابیح کے اندر ایک روایت نقل کی کہ حضرت یحییٰ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو جمع کرو، اور میں تمہیں پانچ چیزیں بتلاتا ہوں تم بھی اس پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی حکم کرو کہ وہ بھی اس پر عمل کریں حضرت یحییٰ سے ان باتوں کے بیان کرنے میں تھوڑی تاخیر ہوگئی تو حضرت عیسیٰ نے ان

---

[1] وعن جابر ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ثنتان موجبتان قال رجل یارسول اللہ ﷺ ما الموجبتان قال من مات یشرک باللہ شیئا دخل النار ومن مات لایشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۹۴ رقم الحدیث ۱۵۱ واحمد فی المسند ج ۳ ص ۳۹۱)

ہوگا، جس میں ایسے لوگوں کے نام ہوں گے جن کی بخشش اور مغفرت نہیں ہوگی، وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: الاشراک باللہ۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے، اس لئے فرمایا کہ شرک کرنے والے کی مغفرت نہیں ہوگی۔

تعزیہ محرم کی ایک بدعت:

مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ شیطان اور نفس کے ورغلانے کی وجہ سے بدعات سے متجاوز ہوکر کے شرک میں مبتلا ہوگیا محرم کے اندر جیسا کہ تعزیہ بنانا اس کے سامنے سجدہ کرنا اس سے منت اور مراد مانگنا یہ حرام تو ہے ہی اپنی جگہ لیکن یہ عقیدہ رکھا جائے کہ تعزیہ خود نفع پہنچاتا ہے، یا یہ کہ اس کے سامنے ہم چڑھاوا نہیں چڑھائینگے تو ہم کو نقصان ہوگا۔ بتلائیں کہ یہ شرک ہے یا نہیں؟ جتنے بھی علماء ہے سبھی نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

مولانا احمد رضا بریلوی کا فتویٰ:

مولانا احمد رضا صاحب بریلوی ان کی کتاب ہے "تعزیہ اور محرم" انہوں نے لکھا ہے کہ تعزیہ بنانا حرام ہے اور اس سے مراد مانگنا اور منتیں مانگنا زنانہ یعنی: عورتوں کا فعل ہے، اور ایک احمقانہ اور بے وقوفی جیسی حرکت ہے، بہار شریعت میں لکھا ہے کہ تعزیہ اگر راستے سے گذرے تو اس سے منھ پھیر دینا چاہیے، اس کی طرف دیکھنا بھی جائز نہیں ہے تو خود ان حضرات نے بھی حرام قرار دیا ہے تعزیہ میں بھی شرک کی آمیزش ہوتی ہے لہٰذا اس سے بچنے کی ضرورت ہیں۔

---

[1] لغت کشوری ص ۱۰۳ پر تعزیہ کے معنی ماتم پرسی کرنا، غم زدہ اور صاحب فیروز اللغات نے ص ۳۶۴ پر یہ معنی لکھا ہے، ماتم پرسی کرنا، حضرت حسین اور اہل بیت کی تربتوں کی نقل جو محرم کے دنوں میں بطور یادگار کے کاغذ اور بانس وغیرہ سے بنائے ہیں۔

اگر ماتم[1] کرنا ہی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیجئے :

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی ایک کتاب ہے "غنیۃ الطالبین" حضرت نے اسکے صفحہ نمبر ۳۸ پر لکھا ہے کہ بھائی جو لوگ دسویں محرم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے غم پر ماتم کرتے ہے، فرمایا کہ اگر دسویں محرم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ماتم کرتے ہو تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جو مقام ملا یہ بھی حضور ﷺ جو آپ کے نانا ہے ان کی برکت کی وجہ سے یہ مقام ملا تو سب سے اونچا مقام تو حضور ﷺ کا ہے تو ان سے زیادہ مقدس تو نانا جان ہے، کہ پیر کے دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس دن ہم ماتم مناتے تو نانا کیلئے ہم ماتم نہیں مناتے تو ادھر نواسے کے لئے کیوں ماتم مناتے ہیں۔ انسان ذرا عقل سے سوچے کہ اگر ہمارے آباء واجداد میں سے کسی کا انتقال ہو گیا، ان کی وفات کے دن ہم کیوں ماتم نہیں مناتے، ان کی وفات کا دن بھی ایک غم کا دن ہے تو زیادہ لائق یہ ہے کہ ابھی قریب میں وفات ہوئی ہے تو ان پر ماتم منایا جائے،

---

[1] ماتم کے متعلق اکابرین کے اقوال: قطب ربانی عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں: "ولو جاز ان یتخذ یوم موته یوم مصیبة لکان یوم الاثنین اولی بذالک اذ قبض الله تعالی نبیه محمد ﷺ و کذالک ابوبکر الصدیق قبض فیه" (غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۳۸) علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں: وایاه ثم ایاه ان یشغله ببدع الرافضة ونحوهم من الندب والنیاحة والحزن اذ لیس ذلک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفاته ﷺ اولی بذالک والحری [illegible] حضور ﷺ کی وفات کا دن [illegible] کہ یہ وفات مسلمانوں کے شایان شان نہیں [illegible] حضور ﷺ کا یوم وفات اس کا زیادہ مستحق تھا (صواعق محرقہ ص ۱۰۹ [illegible] ص ۲۲۳) محدث علامہ محمد طاہر پٹنی تحریر فرماتے ہیں: فانه یتضمن تجدید المآتم وقد نصوا علی کراهیة کل عام فی سیدنا الحسین مع انه لیس له اصل فی امهات البلاد الاسلامیة۔ یعنی ہر سال سیدنا امام حسین کا [illegible] ماتم کو مکروہ قرار دیا ہے اور بلاد اسلامیہ میں اس کی کوئی بھی طریقہ اصل نہیں ہے۔ (مجمع بحار [illegible] ج ۳ ص ۵۵)

رہنے کا حکم دیتے تھے کوئی چیز گر جائے یا کوئی رہے جائے تو اس کو لے آئ؛ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نامی صحابی پیچھے رکے ہوئے تھے، انھوں نے صبح کے قریب دیکھا کہ اندھیرے میں کوئی چیز نظر آرہی ہے، جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو حضرت عائشہؓ ہے، تو دیکھتے ہی انھوں نے انا للہ پڑھا، فرمایا: میں نے ان کو پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا تھا، اس وجہ سے پہچان لیا، لیکن فوراً نظر ہٹالی، کیونکہ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہوگیا تھا، اور ان کو اونٹنی پر بیٹھنے کے لئے کہا

بہرحال اس واقعہ کے بعد منافقین نے نعوذ باللہ حضرت عائشہ سے متعلق غلط باتیں پھیلادی، اور صفوان بن معطلؓ کے ساتھ تہمت لگادی، یہ واقعہ سورۃ نور میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے قرآن کریم کی آیات حضرت عائشہؓ کی برأت اور پاکدامنی میں اتری، جو قرآن میں اب تک تلاوت کی جاتی ہے، بعض شیعہ وروافض اسی فاسد عقیدہ کے حامل ہیں جو منافقین کا تھا، اس لئے وہ مومن نہیں ہے، تعزیہ اور ماتم انہیں لوگوں کی ایجاد کردہ خرافات ہیں۔

ماتم کرنے کی وجہ:

اور ماتم کیوں کیا جاتا ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی کتابوں کے اندر عجیب وغریب روایات لکھی گئی ہیں، گذشتہ سال تو میں نے ان ہی روایات وخرافات پر بیان کیا تھا، ابھی موقع نہیں ہے، مگر اس میں سے ایک دو بات عرض کرتا ہوں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب امید سے رہی تو حضرت جبرئیل حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے اور خوش خبری دی کہ آپ کے یہاں نواسا پیدا ہونے والا ہے، لیکن آپ کی امت اس کو قتل کردیگی، یہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے اپنا منہ موڑ دیا اور اعراض کرنے لگے کہ میرے نواسے کو میری امت

قتل کر دی گی، دوبارہ جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے کہ آپ کے یہاں نواسا ہوگا، اور آپ کی امت اس کو قتل کر دیگی تو حضور ﷺ نے منہ موڑ لیا، تیسری بار جبرئیل آئے اور کہا کہ اللہ آپ کو سلام کہتا ہے، کہ ایک نواسا پیدا ہوگا، اور آپ کی امت اس کو قتل کر دی گی لیکن قیامت تک ان کو امامت کا منصب رہے گا، اس لئے حضور ﷺ راضی ہو گئے کہ یہ لڑکا مجھے محبوب ہے، پھر حضور ﷺ نے یہی بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سنائی، حضرت فاطمہؓ نے سنا کہ مجھے ایک لڑکا پیدا ہوگا کہ جس کو امت قتل کر دی گی تو حضرت فاطمہ نے کہا کہ مجھے ایسا لڑکا نہیں چاہیے، دوسری دفعہ حضور ﷺ نے کہا کہ دیکھو! یہ بشارت ہے انکار مت کرو، تیسری مرتبہ جب بشارت سنائی تو حضرت فاطمہؓ نے انکار کر دیا تو پھر حضور ﷺ نے کہا کہ دیکھو امت قتل کر دیگی لیکن قیامت تک انکو امامت کا درجہ دیا جائیگا، تو حضرت فاطمہؓ بادل ناخواستہ، دل نہ چاہتے ہوئے بھی راضی ہوئی کہ ٹھیک ہے، اگر امامت کا درجہ مل رہا ہے تو مجھے ایسا لڑکا مل جانے تو کوئی بات نہیں، البتہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تو ان کے دل میں یہ بات ڈال دی گئی کہ تمہاری ماں تمہاری پیدائش کو پسند نہیں کرتی، اس وجہ سے حضرت حسینؓ نے حضرت فاطمہؓ کا دودھ کبھی نہیں پیا، یہ بات شیعوں کی کتابوں میں لکھی ہے۔

بعض شیعوں کے نزدیک شہادت منحوس ہے:

اب اسکے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ شہادت یہ ایک منحوس عمل ہے، اسی لئے حضرت فاطمہ نے بھی ناپسند کیا کہ مجھے ایسا نہیں چاہیے جو شہید ہوگا، تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ان کے یہاں ایک منحوس عمل ہے کہ جسکے وہ ماتم کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ قرآن کی نص ہے: لاتقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات ۔ [سورۃ بقرۃ] اللہ کے

راستے میں جو شہید ہو گئے ہیں تم ان کو مردہ بھی نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔

شیعوں کا ایک عجیب وغریب عقیدہ:

آج بھی اسلام کو جو نقصان اندر اندر سے پہنچتا ہے وہ عقائد کے بنیاد پر پہنچتا ہے، کھلم کھلا دشمن سے آدمی بچتا ہے، لیکن اندرونی دشمن سے بچ نہیں پاتا، عجیب وغریب عقائد ہے ایک عقیدہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن پاک آسمان سے اتارا جبرئیل کے ذریعہ سے تو مقصد یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اتارے، لیکن جبرئیل نے غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچا دیا، وحی کے حقدار تو حضرت علیؓ تھے لیکن جبرئیل نے خطا کردی، آج تک اللہ میاں کو بھی غلطی معلوم نہیں ہوئی کہ میری وحی کہاں چلی گئی اور نہ جبرئیل کو پتہ چلا کہ میں نے غلطی کردی، جن پر وحی اتری ان کو بھی پتہ نہیں چلا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں اور حضرت علیؓ کو بھی پتہ نہیں چلا کہ میری وحی دوسرے کے پاس چلی گئی۔ آپ اندازہ لگائیے کہ کس طرح کفریہ عقائد ہے، اور ان ہی عقائد والوں کی یہ خرافات ہے۔

اسلامی تعلیم کو مضبوطی سے پکڑنا چاہئے:

اس لئے میرے بھائیو! ہم ہمارے گھروں میں اپنے بھائیوں اور بہنوں کو سمجھائیں کہ اسلام نے ہمیں جو تعلیم دی ہے اس پر عمل کریں، اسی میں ہماری نجات ہے، ان الدین عند اللہ الاسلام، اللہ کے یہاں وہ دین معتبر ہے جو اسلام ہے، پورے طور پر مطیع اور فرمانبردار ہو جاؤ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہی ہم کریں، دیکھو حضرات صحابہ کرامؓ کو جو دین کے معاملہ میں بڑے سخت تھے، جہاں حضور کے طریقہ کے خلاف کوئی بات دیکھتے فوراً اس پر غصہ ہو جاتے، طحاوی شریف کے اندر لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات سکھایا، ہم جو نماز

میں التحیات پڑھتے ہیں وہی التحیات عبداللہ بن مسعودؓ کو سکھایا، اسکے علاوہ بھی التحیات احادیث میں منقول ہے، لیکن عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا حضور ﷺ ہمیں تشہد اس طریقے سے سکھاتے تھے جیسے قرآن سکھاتے ہیں۔ فرماتے ہے کہ حضور ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہاتھ پکڑ کر اس طرح سکھایا ایک ایک کلمات کرکے۔ عبداللہ بن مسعودؓ فقہاء صحابہ کرام میں سے ہے، اور تشہد کے معاملہ میں بڑے سخت تھے اضافہ تشہد میں نہ کسی کے اضافہ کو برداشت کرتے اور نہ کمی کو۔ مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ تشہد تعلیم فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کو اس کی تعلیم دیں تو صحابہ کرام ہر عمل میں نبی کریم ﷺ کے طریقہ کو دیکھتے اگر اسکے خلاف ہوتا تو سختی سے منع فرمادیتے، کیونکہ ایک حدیث میں فرمایا کہ جو شخص ہمارے دین میں نئی چیز ایجاد کرے تو وہ کام مردود ہے، حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک آدمی نے چھینک کر الحمد للہ کے ساتھ والسلام علی رسول اللہ ﷺ کی زیادتی کی تو ابن عمرؓ نے اس زیادتی کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایسی تعلیم نہیں دی، ہمکو تو چھینک کر صرف الحمد للہ علی کل حال کہنا سکھایا۔ اب ایک لفظ امام ہے، جو اہل حق کے یہاں پیشوا اور مقتدا، کیلئے ہوتا ہے، اور یہی لفظ اہل تشیع کے یہاں عالم الغیب اور معصوم کے لئے بولا جاتا ہے، اور انکے نزدیک امام کا درجہ نبیوں سے بھی بڑا ہے تو ہمیں چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ اہل تشیع کا اثر ہم میں سرایت نہ کرجائے، سب سے پہلی انکی بنیاد جس پر شیعہ نظریات کی عمارت کھڑی کی گئی ان عقائد و نظریات کے اولین موجد یہودی الاصل منافق تھے، عبداللہ ابن سبا اور اس کے رفقاء جو یمن کے رہنے والے تھے، بعد میں مدینہ منورہ آگیا، اور اس نے سیاسی اور مذہبی دونوں طرح سے اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کی جیسے حضرت عثمانؓ کے خلاف جھوٹا اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کرکے عوام کے دلوں میں ان کی نفرت و عداوت پیدا کی، جس کی وجہ سے مسلمانوں

میں باہمی انتشار اور تفرقہ پیدا ہو گیا، اور اس نے یہ چال چلی کہ سیدھے دین حنیف کے صاف صاف اور صحیح عقیدوں میں تبدیلی کی جائے توحید اور رسالت پر حملہ کیا جائے اور اسلام کے بنیادی حقائق کو مسخ کر کے عوام کو گمراہ کیا جائے، اس طرح عبداللہ بن سبا نے یہ کام بصرہ میں شروع کیا پھر کوفہ میں پھر مصر میں۔ اللہ جزائے خیر دے ہمارے علمائے حق کو جنہوں نے ان کے عقائد کو ہمارے سامنے واضح فرمایا اور بہت بڑی گمراہی سے ہم کو بچایا، ایسی ہی ایک عقیدہ ان لوگوں کا یہ ہے کہ سوائے پانچ صحابہ کے سب مرتد ہو گئے [نعوذ باللہ] اور آج بھی ان کی کوشش یہی ہیں کہ ہمارے اندر گھس کر ہمارے عقائد کو کمزور کریں، اور غلط اور موضوع روایات کو داخل کرنے کی پوری کوشش آج بھی جاری ہے، ہمارے بھولے بھالے بھائی ان کے نظریات سے واقف نہیں، بس ضرورت ہے کہ ہم اپنے علمائے حق سے وابستہ رہیں، اور تحقیق کریں، علمائے سے وابستگی نہ ہونے کی وجہ سے آج مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلس اور تعزیہ کے جلوس کو دیکھنے کیلئے جمع ہو جاتے ہیں، اس میں کئی گناہ ہیں ایک یہ کہ اس میں دشمنان صحابہؓ اور دشمنان قرآن کے ساتھ تشبہ ہے، اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں شمار ہوگا[1] دوسرا گناہ یہ ہے کہ اس سے دشمنان اسلام کی رونق بڑھتی ہے، اور دشمنوں کی رونق بڑھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی رونق بڑھائی وہ انہیں میں سے ہیں، تیسرا گناہ یہ ہے کہ جس طرح عبادت کو دیکھنا عبادت ہے اسی طرح گناہ کو دیکھنا بھی گناہ ہے، چوتھا گناہ یہ ہے کہ اس مقام پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بری رسم و خرافات سے بچائیں، اور صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

[1] من تشبہ بقوم فہو منہم۔ [ابو داؤد: کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرة، عن ابن عمر [illegible]]

شخصیات

(جن کا اس کتاب میں ذکر آیا ہے)

حوالہ کتب

(اس جلد میں جن کتب حدیث کے حوالے آئے ہیں وہ درج ذیل کتب خانوں کی مطبوعات ہیں)

صحیح بخاری شریف	یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند
صحیح مسلم شریف	اشرفی بک ڈپو، دیوبند
سنن ابوداؤد شریف	سعد بک ڈپو، دیوبند
سنن ترمذی شریف	مکتبہ ملت، دیوبند
سنن نسائی شریف	بنگلہ اسلامک اکیڈمی، دیوبند
سنن ابن ماجہ شریف	یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند
الموطا للامام مالک	مکتبہ بلال، دیوبند
مشکوۃ شریف	مکتبہ بلال، دیوبند
مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	دار الکتاب العربی، لبنان
کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان